علم وتربیت کا باہمی ربط وتعلق:
(اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

☆ ڈاکٹر حافظ محمد عبدالقیوم

ABSTRACT:

Co-Relationship between Education and Practical Orientation: An Analytical study of Islamic Teachings

Education and practical orientation are both significantly interlinked. Education without practical training stands mere theory having no connection with life. Practical orientation without education carries no meaning. Islamic system of life seeks to espouse both education and training. The Prophet (s.a.w.) educated his people theoretically as well as trained them practically. What ever he did in this regard constitute Islamic principles for human life. Curricula of educational institutions need to be developed with a view to making students knowledgeable on the one hand and upholders of Islamic virtues in their practical life on the other. The present paper is aimed at highlighting the co-relationship between the education and practical orientation, proving beyond doubt that isolation of one from the other is too damaging to imagine.

علم کا مفہوم:

"اَلعِلْمُ" کے معنی کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنے کے ہیں (العلم ادراك الشئ بحقيقته)۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ اس کی دو اقسام ہیں: ا۔کسی چیز کا ادراک کر لینا، ب۔ایک چیز پر کسی صفت کے ساتھ حکم لگانا جو فی الواقع اس کے لیے ثابت ہو، یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی کرنا جو فی الواقع اس سے منفی ہو۔ جیسے متعدی بیک مفعول ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔﴿لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾[1] (تم ان

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان۔

کونہیں جانتے بلکہ اللہ ان کو جانتا ہے)۔دوسری صورت میں دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے: ﴿ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ ﴾(۲) (پس اگر تم ان کو مؤمن معلوم کرو)۔ علامہ راغب کے الفاظ ہیں:

"ذلك ضربان أحدهما : ادراك ذات الشئ والثانی الحكم علی الشئ بوجود شئ هو موجود له ، أو نفی شئ هو منفي عنه، فالأوّل: هو المتعدی الی مفعول واحد۔ الله يعلمهم ۔ والثاني : المتعدی الی مفعولين ، ﴿فان علمتموهن مؤمناتٍ ﴾(۳)

"تعلیم" کے معنی بار بار کثرت کے ساتھ خبر دینے کے ہیں حتیٰ کہ متعلم کے ذہن میں اس کا اثر پیدا ہو جائے۔بعض نے کہا کہ "تعلیم" کے معنی تصور کے لیے نفس کو متوجہ کرنا کے ہیں۔اور کبھی تعلیم کا لفظ اِعلام کی جگہ آتا ہے جبکہ اس میں تاکید کے معنی مقصود ہوں:﴿ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ ﴾(۴) (کا تم اللہ کو اپنی دین داری جتاتے ہو؟)۔(۵)

احمد بن فارس صاحب مقاییس اللغۃ لکھتے ہیں کہ علم ایسی چیز پر دلالت کرتا ہے جس کے ذریعہ ایک چیز کو دوسری چیز سے ممتاز کیا جاتا ہے:"العلم يدل على أثر بالشئ يتميز به عن غيره "(۶)

احمد بن فارس مزید لکھتے ہیں کہ "العلم" کے ایک معنی "یقین" کے ہیں العلم: اليقين ، اذا تيقن۔(۷)

" اَلعَلَم" ایسا نشان جس سے کوئی چیز پہچانی جا سکے، جیسے عَلَمَ الطريق اس نشان کو کہتے ہیں جو راستہ کی پہچان کے لیے اس میں کھڑا کر دیا جائے۔اور اسی معنی کے اعتبار سے پہاڑ کو بھی "عَلَمٌ" کہتے ہیں: جیسے ﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴾(۸) (اور اس کی نشانیوں میں سے سمندر کے جہاز ہیں جو گویا پہاڑ ہیں)۔اسی طرح معالم جس کا واحد مَعلَم ہے اس نشان کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کی پہچان ہو سکے۔اس کے معنی ہیں ما يُعلَم به (یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ کسی شے کا عِلم حاصل کیا جائے)،جس طرح خاتَم بمعنی ما يختم به یعنی جس کے ذریعہ کسی چیز کا خاتمہ کیا جائے۔کائنات میں غور وفکر کے ذریعے بھی چونکہ باری تعالیٰ کا علم حاصل ہوتا ہے اس لیے جملہ کائنات عـــالَــم کہلاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ذاتِ باری تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت کے سلسلہ میں کائنات پر غور کرنے کا حکم دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾(۹) (اور کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی سلطنت کو نہیں دیکھا)۔(۱۰)

علم، معرفت، شعور، یقین میں فرق:

ابو ہلال عسکری نے اپنی کتاب "الفروق اللغویۃ" میں لفظ "علم" کے دیگر اکیس الفاظ کے ساتھ فروق بیان کیے ہیں۔(۱۱) فخر الدین رازی نے "عِلم" کے انتیس (۲۹) مترادفات مع فروق بیان کیے ہیں جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ "معرفت" التباس کے بعد حصولِ علم سے عبارت ہے۔ اس لیے کہتے ہیں "ما کنتُ أعرفُ فلاناً والآن فقد عرفتُه" (میں فلاں کو نہیں جانتا تھا اور اس وقت اسے جانتا ہوں)، اللہ تعالیٰ نے اپنا وصف "عالم" ہونا بیان فرمایا ہے "عارف" ہونا بیان نہیں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ معرفت پہلے جہل کا اقتضاء کرتی ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

ادراک کے معنی ملاقات اور وصول ہیں جیسے أدرکت الغلام و أدرکت الثمرة (میں نے لڑکے کو پکڑا اور پھل حاصل کیا)۔

شعور کی تعریف بغیر اثبات کے ادراک ہے اور قوت عاقلہ کی طرف وصولِ معلوم کا پہلا درجہ ہے۔ اسی لیے یہ بھی کہا گیا کہ "الشعور علم یوصل الیه من وجه دقیق کدقة الشعر، ولهذا قیل للشاعر لفطنته"۔(۱۲)

آخری بات یہ ہے کہ علم کا اطلاق اور اس کا مقصود یقین تک رسائی ہے اس لحاظ سے ایسا علم جو یقین تک نہیں پہنچا تا وہ نامکمل ہے۔ کیونکہ علم شکوک وشبہات کا جواب دیتا ہے ان کو تشنہ نہیں چھوڑتا۔ یہ تشنگی علم میں کمی پر دلالت کرتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے علم کی کاملیت سے جہل مرکب، ظن، شکوک وشبہات اور وہم رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور یہ علم میں یقین کا مقام شکوک وشبہات کے بعد آتا ہے (ان الیقین هو العلم بعد حیرة الشك)۔(۱۳)

فخر الدین رازیؒ قرآن کریم سے اس کی یہ مثال بیان کرتے ہیں: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا﴾(۱۴)۔ (بے شک سچے مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہ کیا)۔(۱۵)

اور تعلیم کا مقصود بھی یہی ہے کہ قلب میں یقینِ کامل پیدا کیا جائے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ علمِ یقین وہ علم ہے جس کے ذریعے سے معلومات کا ایسا انکشاف ہو جائے کہ اس میں کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے اور

غلطی اور وہم کا امکان بھی اس کے پاس نہ رہے۔[۱۶]

علم کی تعریف:

"ھو الصورۃ الحاصلۃ من الشيء عند العقل" (عقل کے نزدیک کسی شے کی حاصل ہونے والی صورت کا نام علم ہے)۔[۱۷]

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ" ہر شے کا ایک وجود خارج میں ہوتا ہے، ایک ذہن میں ہوتا ہے اور ایک زبان میں۔ جبکہ خارجی وجود اصلی اور حقیقی ہے۔ ذہنی وجود علمی اور صوری ہے اور زبانی وجود لفظی اور دلیل کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ سماء کا ایک وجود فی نفسہ ہے اور ایک وجود ہمارے ذہن اور نفس میں ہے۔ کیونکہ آسمان کی صورت ہماری نگاہوں کے ذریعے سے ہمارے خیالوں میں منطبع ہوتی ہے، اگر بالفرض آسمان معدوم ہو جائے تو آسمان کی صورت ہمارے خیالوں میں موجود ہوگی۔ اسی صورت کو"علم" کہتے ہیں اور جس کی نسبت علم ہوتا ہے وہ اس کی مثال ہوتی ہے، کیونکہ وہ معلوم شے کی حالت کا پتہ دیتی ہے، گویا کہ وہ ایسی ہے جیسے آئینہ میں شکل دکھائی دیتی ہے، کیونکہ وہ بھی مقابل کی خارجی صورت کا پتہ دیتا ہے"۔[۱۸]

تربیت کا مفہوم:

"ر، ب، ا،" سے تربیت کا لفظ ہے جس کے انگریزی میں معنی بچہ کی پرورش کے ہیں:

(He Fed, Nourished, Reared, or Brought up a child)[۱۹]

راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ" الربّ" کے معنی تربیت کرنا، یعنی کسی چیز کو تدریجاً نشوونما دیکر حدِ کمال تک پہنچانے کے ہیں۔ اور ربہ، رباہ، ربیہ تینوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں:"لان یرُبّنی رجل من قریش أحب اليّ من ان یرُبنی رجل من ھوازن" کہ کسی قریشی کا سردار ہونا مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے کہ بنی ہوازن کا کوئی آدمی مجھ پر حکمرانی کرے۔"رَبّ" کا لفظ اصل میں مصدر ہے اور استعارہ کے طور پر" فاعل" کے معنی میں مستعمل ہے۔ اور مطلق (اضافت اور لام تعریف سے خالی) ہونے کی صورت میں سوائے اللہ تعالیٰ کے، جو جملہ موجودات کے مصالح کا کفیل ہے، اور کسی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا: ﴿بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ﴾[۲۰] (عمدہ شہر اور (آخرت میں) گناہ بخشنے والا پروردگار)۔

اہل لغت کے نزدیک" ربّانی" "ربّان" کی طرف منسوب ہے لیکن عام طور پر فعلان (صفت) فعل

سے آتا ہے جیسے عطشان، سکران۔ایک رائے یہ ہے کہ یہ ربٌّ کی طرف منسوب ہے اور "ربّانی" وہ ہے جو علم کی پرورش کرے جیسے حکیم (یعنی جو حکمت کو فروغ دے)۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ ربٌّ مصدر کی طرف منسوب ہے اور "ربانی" وہ ہے جو علم سے اپنی پرورش کرے۔ درحقیقت یہ دونوں معنی باہم متلازم ہیں کیونکہ جس نے علم کی پرورش کی اس نے اپنی ذات کی بھی تربیت کی۔اور جو شخص اس کے ذریعہ اپنی ذات کی تربیت کرے گا وہ علم کو بھی فروغ بخشے گا۔[۲۱]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحومؒ لفظ تربیت کی محسوس مثال عرب جاہلیت کے معاشرتی پس منظر میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ کے ہاں تربیت دلانے کا یہ طریقہ تھا کہ تجارت کے لیے جو کاروان جایا کرتے تھے اس میں کسی معمر کے ساتھ نوعمروں کو بھیج دیا کرتے تھے۔ چونکہ مکہ کی معاشی زندگی کا دارومدار بہت بڑی حد تک تجارت پر تھا، اس لیے اس طریقے کی اہمیت مکہ والوں کے لئے کچھ تھی۔ ظاہر ہے سفر کے تجارب کا فائدہ ماسوا تھا۔[۲۲]

لفظ "تربیت" کے مترادف الفاظ حجر، حضن، تزکیہ، اخلاق اور تطہیر بھی ہیں جو اپنے فروق کے ساتھ اِن معنی میں مستعمل ہیں۔

لفظ "تأدیب" جو اَدب سے ہے، عہدِ نبوی میں متداول تھا۔اسی طرح اردو میں مہذب اور شائستہ بنانے کا لفظ متداول ہے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "الرجل تكون له الأَمَةُ فيعلّمها فيحسن تعليمها ويؤدّبها فيحسن تأديبها فله أجران۔۔۔" ۔(وہ شخص جس کے پاس لونڈی ہو اور وہ اس کو اچھی تعلیم دے اور اسی طرح اس کو بطریق احسن ادب سکھائے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے)۔[۲۳] کتبِ حدیث میں باقاعدہ ایک باب کتاب الأدب موجود ہے جو اسی معنی پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح روایات میں لفظ "حَجر" تربیت کے معنی میں آتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: عن عمر بن أبي سلمة يقول: "كنتُ غلاماً في حجر رسول الله ﷺ"[۲۴]۔حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ حجر "تربیت" کے معنی میں آیا ہے: "أي في تربيته وأنّه يُرَبّيه في حضنه تَربِيَة الولد"۔[۲۵]

لفظ تربیت بھی روایات میں بچے کو تدریجاً نشوونما دے کر حدِ کمال تک پہنچانا کے معنی میں آیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من ربّى صغيراً حتى يقول: لا اله الاّ الله لم يحاسبه الله عزّ و جل"۔ (نبی کریم

ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے بچہ کی اس طرح تربیت کی کہ وہ کلمہ پڑھنے لگے تو اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ نہیں کرے گا۔(۲۶)

لفظ تربیت جہاں اپنے مترادف الفاظ رکھتا ہے وہاں اس میں عمومیت بھی پائی جاتی ہے، اسی لیے علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ لفظ "رحمٰن" تربیت بالواسطہ پر جبکہ لفظ "رحیم" تربیت بلاواسطہ پر دلالت کرتا ہے:

"فالرحمٰن یشیر الیٰ التربیة بالوسائط وغیرھا فی عالمه والرحیم یشیر الیٰ التربیة بلا واسطة"۔(۲۷)

اسی طرح علامہ فخر الدین رازی دوسرے مقام پر "تربیت" کی ایک اور قسم "تربیتِ روحانیہ" بیان کرتے ہیں، قرآن کریم کی سورۃ النحل کی پہلی آیت کے تحت لکھتے ہیں: "فکان ھذا اشارة الیٰ التربیة الروحانیة فقط".(۲۸)

مختصر یہ کہ لفظ تربیت میں عمومیت ہے۔اور یہ اپنی اقسام میں دینی و دنیوی دونوں پہلو لئے ہوئے ہے، یعنی اخلاق رذیلہ سے نفس کی اصلاح۔جبکہ تربیتِ نفس کے لیے قرآن کریم میں لفظ "تزکیہ" آیا ہے۔مولانا اشرف علی تھانویؒ کی رائے ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فرائض میں سے ایک فریضہ "یزکیھم" بھی ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى، وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴾(۲۹) (بے شک وہ کامیاب ہوا جو پاک ہوگیا ،اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی)(۳۰)۔

یہاں تین اعمال بیان کیے ہیں: ا۔ تزکیٰ ب۔ذکر اسم ربّه ج۔ فصلّیٰ

درج بالا آیت میں لفظ تزکیہ ذمائمِ باطنی اور ظاہری یعنی معاصی جوارح ہر دو کو عام ہے۔مگر دوسری آیت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تزکیہ سے مراد ذمائم باطنی سے پاکی ہے۔دوسری جگہ ارشاد ہے:﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا، فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴾ (اور جان کی قسم اور اس کی جس نے اس کو درست کیا پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے اپنی روح کو پاک کرلیا)(۳۱)۔ یہاں لفظ "زکّٰھا" میں مفعول کی ضمیر نفس کی طرف ہے کہ نفس کا تزکیہ کرلیا۔گویا کہ اس آیت میں اس بات کی تصریح ہے کہ فلاح کا مدار تزکیہ نفس پر ہے۔اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ نفس کا تزکیہ اور اس کی پاکی ذمائم باطنی کے ازالہ سے ہوتی ہے۔کیونکہ نفس اعمالِ جوارح کے ساتھ نہیں بلکہ ذمائم باطنی کے ساتھ بلاواسطہ متصف ہے۔اس

طرح ان کا تزکیہ بھی انہی ذمائم سے ہوگا۔تزکیہ باطن کا جو حکم دیا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تزکیہ ظاہر ضروری نہیں،اگر یہ بات ہوتی تو اس آیت کے بعد ﴿وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی﴾ نہ فرماتے، بلکہ اس کا مقصود یہ ہے کہ نفس (باطن) کا پاک کرنا اصل ہے اور ظاہر (کا پاک کرنا) اس کی فرع۔کیونکہ اصل چیز تو تزکیہ باطن ہی ہے،اگر تزکیہ باطن اصل چیز نہ ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس طرح نہ فرماتے: "التقویٰ ھٰھنا، وأشار الیٰ صدرہ"۔(نبی کریم ﷺ نے اپنے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقویٰ یعنی اللہ کا ڈر اور خوف یہاں ہے) چنانچہ تزکیہ نفس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اعانت سے اعمال بھی درست ہو جاتے ہیں،یعنی قلب کی اصلاح سے اعمال بھی آسان ہو جاتے ہیں۔ایک جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ﴾(تم ظاہری اور باطنی سب گناہ چھوڑ دو)۔(۳۲)

افلاطون سے پوچھا گیا کہ تم اخلاق (فضیلت) کی تعلیم دے سکتے ہو؟اس نے جواب دیا:نہیں۔اس انکار کا مقصد یہ تھا کہ فضیلت یعنی تربیت اخلاق پڑھی نہیں جاتی حاصل کی جاتی ہے،عمل سے اور ارادہ کی پختگی سے۔بشرطیکہ طبیعت اس طرف مائل ہو اور اسے ارادہ،عقل اور رجحان کا مکمل تعاون حاصل ہو۔(۳۳)

نبی کریم ﷺ کی شانِ علم:

نبی کریم ﷺ کی مخصوص شان علم وحکمت تھی کیونکہ آپؐ کے دائمی معجزہ کی نوعیت ہی علمی ہے، جو قرآن کی صورت میں امتِ مسلمہ کے پاس آج بھی محفوظ اور جلوہ فرما ہے،اور قیامت تک اپنا اعجاز رکھے ہوئے ہے۔

یہی وجہ ہے آپ ﷺ تمام انبیاء علیھم السلام پر فائق اور درجات میں سب سے بڑھ کر ہیں کیونکہ علم تمام صفاتِ کمال میں نہ صرف برتر صفت بلکہ تمام صفاتِ کمال اپنی کارگزاری میں علم کی محتاج ہیں مگر علم اپنی کارفرمائی میں کسی صفت کا محتاج نہیں۔دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ علم کو اپنی کارفرمائی میں کسی صفت کی حاجت نہیں ہوتی جبکہ باقی تمام صفات علم کے بغیر ادھوری ہیں اس طرح علم تمام صفات میں اول ہے لہذا یہ اول درجہ کی صفت بھی ٹھہرا۔باقی تمام صفات مثلاً ارادہ،قدرت کلام وغیرہ اسکی محتاج ہیں۔اسی لیے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

"أوتیتُ علم الاولین والآخرین"۔ "مجھے اولین اور آخرین کا علم دیا گیا ہے"۔(۳۴)

نبی کریم ﷺ کا علم سب سے بڑھ کر بھی ہے اور سب پر حاوی بھی ہے۔تمام علوم کے آپؐ جامع ہیں اس لیے علم میں آپؐ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

امام ابو حامد غزالی سورۃ مائدہ کی آیت نمبر۳ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ (آج میں تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر چکا اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا) سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ علم میں بھی خاتم اور کامل ہیں۔ (۳۵)

نبی کریم ﷺ اور شانِ اخلاق:

نبوت کی بنیاد دو چیزوں پر ہوتی ہے ایک علمی کمال اور دوسرا اخلاقی کمال۔ یہی دو اقسام تمام کائنات کی سعادت ہیں۔ اگر علم نہ ہو تو روشنی نہیں ہو سکتی۔ جب روشنی نہ ہوگی تو راستہ نظر نہیں آئے گا۔ جب راستہ نظر نہیں آئے گا تو منزل مقصود تک نہیں پہنچا جا سکتا اور اگر اخلاق نہ ہو تو راستہ کے اوپر چلنے کی قوت پیدا نہیں ہو سکتی۔

جس طرح نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس خاتم العلوم اور خاتم الانبیاء ہے اسی طرح آپؐ خاتم الاخلاق بھی ہیں کہ اخلاق کے سارے نمونے اور کمالات آپؐ کی ذات بابرکت میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔

اخلاق کا ابتدائی درجہ خلقِ حسن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خطاب فرمایا کہ

"خليلى حَسِّن خلقك" (۳۶) "اے میرے دوست! اپنے اخلاق کو حسن بناؤ"

اخلاق کا ایک درجہ خلق کریم ہے آپؐ فرماتے ہیں: "انما بعثت لأتمم صالح الاخلاق" (۳۷) "میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ کریمانہ اخلاق کو مکمل کر کے تمہارے سامنے پیش کر دوں۔"

اخلاق کا ایک درجہ خلقِ عظیم ہے اور یہی سب سے بلند درجہ ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کا ذاتی خلق ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (۳۸) "اے نبی ﷺ! آپؐ خلق عظیم کے مرتبے پر فائز ہیں۔"

اسلام میں تعلیم وتربیت کے مقاصد:

اسلام میں تعلیم وتربیت کا مقصد طبائع انسانیہ میں ایسا اعتدال پیدا کرنا ہے جو نبی کریم ﷺ کی فکر و عمل اور اخلاق میں موجود تھا۔

اعمال دراصل اخلاق کی فرع ہیں (یعنی اعمال اخلاق سے پیدا ہوتے ہیں) اور اعتدال کا اصل محل اخلاق ہیں۔ جبکہ اخلاق تین قوتوں سے پیدا ہوتے ہیں: ا۔ قوتِ عقلیہ ب۔ قوتِ شہویہ
ج۔ قوتِ غضبیہ۔

جن کا حاصل یہ ہے کہ اپنے نفع کے حصول اور ضرر کے دفع کے لیے خواہ وہ دنیوی ہوں یا اخروی، دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک تو وہ قوت کہ جس سے انسان اپنی منفعت ومضرت کو سمجھے، وہ "قوتِ مدرکہ عقلیہ" ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ منفعت کو سمجھ کر اس کو حاصل کرے، یہ "قوتِ شہویہ" کے ذریعے ہوگا۔ اسی طرح انسان ضرر کو دیکھ کر اس کو دفع "قوتِ غضبیہ" کے ذریعے کرے گا۔ ان تین قوتوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں، اور ان اعمال کے تین درجے ہیں: ا۔ افراط ب۔ تفریط ج۔ اعتدال۔

قوتِ عقلیہ کا درجہ افراط "جربزہ" ہے، تفریط کا درجہ "سفاہت" کہلاتا ہے جبکہ اعتدال کا درجہ "حکمت" کہلاتا ہے۔ اسی طرح قوتِ شہویہ کا درجہِ افراط "فجور" ہے، تفریط کا نام "جمود" ہے، اور اعتدال کا درجہ "عفت" ہے۔ قوتِ غضبیہ کا درجہِ افراط "تہور" ہے اور تفریط "جبن" ہے جبکہ اعتدال کا درجہ "شجاعت" کہلاتا ہے۔ تو یہ نو اوصاف ہوئے جو تمام اخلاقِ حسنہ ورذیلہ کا حاصل ہیں۔

اسلام کا مطلوب ومقصود انسان میں صفاتِ اعتدال یعنی حکمت، عفت، شجاعت کا پیدا کرنا ہے۔ ان تین صفات کے مجموعہ کا نام "عدالت" ہے، اسی لیے اس امت کا لقب "امتِ وسط" (Moderate Ummah) یعنی "امتِ عادلہ" ہے۔

اسلامی تصورِ تعلیم اور پھر تربیت کا عکس اور اس کی جھلک خود صحابہ کرام کی زندگیوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جب حضرت جعفر طیارؓ اصحمہ نجاشی کے دربار میں اسلام کی تعلیمات پیش کرتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات اور نبوی ﷺ تربیت کے اثرات اس تقریر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ حضرت جعفر طیارؓ فرماتے ہیں: "أایھا الملك،" "ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزور کو کھا جاتے تھے۔ اس اثناء میں ہم میں سے ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق ودیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے، اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آجائیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسائیوں کو آرام دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں۔ جس کے جواب میں ہم اس پر ایمان لے آئے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمالِ بد سے باز آئے۔ اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اسی گمراہی میں پھر واپس آجائیں۔"

تعلیم وتربیت کا باہمی ربط وتعلق:

اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات میں سے ایک صفت علم بھی ہے۔اورانسان ممکن الوجود ہے جبکہ ذاتِ باری تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ممکن الوجود میں تو "عدم" اصل ہے جبکہ واجب الوجود میں "وجود" اصل ہے۔

یہ عالَم حادث ہے جس نے معدومیت سے موجودیت کا جامہ پہنا۔اس طرح اس عالم کی اصلیت وجودنہیں ورنہ وہ ہمیشہ سے موجود ہوتا اور نہ ہی یہ عالم تخلیق کے بعد عدم محض کہلا سکتا ہے کیونکہ یہ تخلیق کے بعد وجوداور موجودگی لیے ہوئے ہے۔اب لامحالہ اسے وجود وعدم سے مرکب ماننا پڑے گا۔جب عدم اصل ہے اور وجود عارضی ہے تو یہ بات بھی ماننا پڑے گی کہ عدم لامحدوداور وجود محدود ہے۔

قاری محمد طیبؒ لکھتے ہیں کہ "اس طرح یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر چیز کا وجود خیر اور عدم شر ہے،اسی طرح اس کا ہونا ہنراور کمال ہے۔اور نہ ہونا عیب ونقص ہے۔چنانچہ علم اور عدل کا ہونا کمال اور نہ ہونا جہل اور ظلم ہوتا ہے۔اسی طرح عمل اخلاق کی فرع ہوتے ہیں۔ انسان میں اخلاقی صفات تقویٰ وطہارت،ایثار واحسان، صدقِ مقال اور عبادت کا ہونا کمال ہے اور خود غرضی ، بے فیضی، کذب اور بغاوت و سرکشی عیب اور نقص ہے۔" (۳۹)

اس لحاظ سے علم کو روشنی اور جہل کو عدم کہا جاتا ہے اور چونکہ وجود کے مقابلہ میں عدم لامحدود ہے اس لیے علم سمندر نہیں بلکہ جہل لامحدود سمندر کی مانند ہے۔

علم کو روشنی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ جہل وتاریکی یعنی عدم کے پردہ کو پھاڑتا ہے۔چونکہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم وتربیت کا حاصل بھی یہی ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ کی مثال "نور" اور "سراج" سے دی گئی ہے۔

﴿قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ (بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کتاب آئی ہے)۔(۴۰)

﴿وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾ (اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چراغ روشن بنایا گیا ہے)۔(۴۱)

اس طرح علم اور اخلاق سے انسان کا مزین ہونا عیب ونقص نہیں بلکہ انسانیت کی معراج اور کمال ہے۔اور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو علم واخلاق میں ہی کاملیت دی گئی تھی۔

کمالات کتنے ہی کیوں نہ ہوں اور کسی کے کیوں نہ ہوں کُل دو اقسام میں منحصر ہیں: ا۔ کمالاتِ

علمی۔ ب۔ کمالاتِ عملی۔

جب اللہ تعالیٰ کے کمالات ان دو اقسام میں منحصر ہیں تو بندوں کے کمالات بدرجہِ اولیٰ ان دو میں منحصر ہوں گے۔ کیونکہ یہاں جو کچھ ہے سب وہیں کا ظہور ہے۔ سو جب نبی کریم ﷺ ان دونوں کمالات میں کامل بلکہ اکمل ہوئے تو پھر آپؐ کے کمالات میں شک کرنا خرابیِ فہم نہیں تو اور کیا ہے۔

علمِ محض اور اس کے اثرات:

مولانا قاسم نانوتویؒ انسان کی حقیقت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "صفاتِ متعدیہ میں سے علم سب سے اوپر اور مخلوقات میں سے باعتبارِ حاجت انسان سب سے نیچے ہے۔ ملائکہ، نباتات، حیوانات اور جنات کی احتیاجات بہرحال انسان سے کم ہیں۔ زن وفرزند، خورد ونوش، لباس، مکان، سواری، مال واسباب وغیرہ صرف انسان کی ضروریات ہیں۔ علاوہ ازیں مادہِ انسانی خاک ہے اور مادہِ ملکی نور پاک ہے۔ جنات آتشی ہیں اور اُن کا مادہِ نور اگرچہ مصفّا نہیں مگر وہ نور ہی تو ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مادہِ انسانی ان دونوں مادوں سے کس قدر گرا ہوا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ مرتبہ اور مقامِ اصلی میں سے ہر کوئی اپنے مادہ کے تابع ہوتا ہے۔" (۴۲)

درج بالا بحث سے بات سامنے آئی کہ انسان اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے عدم، احتیاج اور مادہِ خاک سے مزین ہے مگر جب یہ صفتِ علم سے مزین ہوتا ہے تو خود علمِ محض ایک خطرناک چیز بن جاتا ہے۔ علمِ محض سے انسان میں تکبر، طغیانی اور غرور درآتا ہے اور یہ علم "نور" ہونے کے باوجود حق کے اعتراف میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

قرآن کریم اسی انسانی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب انسان وہ کچھ جان لیتا ہے جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا:﴿ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴾ (۴۳)۔ تو اس جاننے کی وجہ سے اس میں طغیانی، تکبر وغرور آجاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو ہر ایک سے مستغنی سمجھنے لگتا ہے:﴿ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى۔ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى﴾ (۴۴)۔ اور قرآن کریم نے اس کا علاج بھی بتادیا کہ اپنے رب کی طرف لوٹیے:﴿اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى﴾ (۴۵)۔ اسی لوٹنے اور رجوع الی اللہ کا نام عمل، تربیت، تزکیہ اور اخلاق ہے۔ جس کا نام آنے والے دور میں طریقت رکھ دیا گیا۔

جب انسان علم وعمل سے مزین ہوتا ہے تو ارفع واعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوجاتا ہے۔

علامہ فخر الدین رازی سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات کے مابین مناسبت قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے پہلے حال کا ذکر فرمایا ہے اور وہ اس کا "علقہ" ہونا ہے باوجود اس کے کہ وہ حقیر ترین چیز ہے۔اور اس کا دوسرا حال اس کا علم کی طرف پھرنا بیان فرمایا ہے اور یہ اعلیٰ ترین مرتبہ ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے انسان میں نے تجھے پہلے حال میں اس درجہ میں رکھا جو انتہائی خساست ہے۔اور تجھے دوسرے حال میں اس درجہ میں پھیرا جو انتہائی شرف اور بزرگی والا ہے۔(۴۶)

یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خلافتِ ارضی محض علم کی وجہ سے ملی ہے۔اس میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خلافتِ ارضی محض علم کی وجہ سے نہیں ملی بلکہ علم وعمل اور علم واخلاق کی وجہ سے ملی تھی۔کیونکہ خلافت کے مستحق تو بظاہر تین تھے۔انسان، ملائکہ اور ابلیس۔ابلیس تو استکبار کی وجہ سے محروم ہوا، ملائکہ نے بنی آدم کے ظاہری احوال سے سفکِ دماء اور فساد فی الارض وغیرہ کا اندازہ کر کے ذاتِ باری تعالیٰ کی شان میں بے محل سوال کر دیا،لیکن چونکہ ان کو اپنی غلطی پر اصرار نہ تھا اس لیے مغفرت ہوگئی۔جبکہ حضرت آدم علیہ السلام تو ہر موقع پر عجز وانکساری، نہایت تذلّل اور تضرّع ہی کرتے رہے۔ذاتِ باری تعالیٰ کی خدمت میں عبودیت ہی کا اظہار کیا۔حالانکہ وہ بھی حجت ودلیل کی راہ اختیار کر سکتے تھے۔مگر ایک حرف بھی بطورِ عذر گناہ نہیں کہا، بلکہ اس کے برعکس اپنے قصور کا اعتراف فرما کر مدتِ دراز تک توبہ واستغفار، عجز ونیاز اور گریہ وزاری میں مشغول رہے۔یہی وہ عبودیت اور سراپا طاعت نیاز مندی کا وہ مقام تھا جو ان کے علم وعمل اور علم واخلاق کا نتیجہ تھا اور اس کی وجہ سے ملا اور حضرت آدم علیہ السلام کو خصوصی فضیلت اور خلعتِ خلافت عطا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن میں ان کا وصفِ علم نمایاں کیا تو وہ ان کا وصفِ ظاہر تھا جس کو سب معلوم کر سکتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے وصفِ علم کو اس لیے ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ مدارِ فضیلت تھا۔کیونکہ وصفِ عبودیت جو علم وعمل کا کمال ہوتا ہے وہ ایک مستور اور پوشیدہ صفت ہے اس کو معلوم کرنا دشوار ہے۔لہٰذا علم کی فضیلت اس وقت ہی ظاہر ہوتی ہے جب عمل بھی اس کا مساعد ہو۔(۴۷)

قرآن کریم نے علمِ محض کے حاملین کے لیے گدھے کی مثال دی ہے:﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ (ان لوگوں کی مثال جنہیں تورات اٹھوائی گئی، پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا، گدھے کی سی مثال ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے)۔(۴۸)

مولانا عبدالحق حقانیؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہود کی قوم کو اپنے علم وخاندان پر بڑا گھمنڈ تھا ان کو جب نبی کریم ﷺ کی اتباع اور اس کے نور سے مستفید ہونے سے عار ہوا تو کہنے لگے کہ علم وحکمت کا خزانہ

ہمارے پاس ہے اور کتابوں کے بڑے بڑے ذخیرے ہمارے ہاں موجود ہیں، نبی کریم ﷺ کی باتیں جاہلوں کو سمجھانے کے لیے ہیں ہمارے لیے نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اس بدنصیب قوم کی اصلی حالت بیان فرماتا ہے اور ان کے علم بے عمل کی پوری تشبیہہ دیتا ہے۔(۴۹)

حضرت سلطان باہوؒ "العلم حجاب الأکبر" کے متعلق فرماتے ہیں کہ (ظاہری) علم کو اس لیے حجاب کہا گیا ہے کہ خلافِ علم تمام حجاب ہے اور اخلاص علم سر بسر صورت ہے "العلم حجاب الأکبر' واقع است یعنی خلاف علم همه حجاب است و اخلاص علم همه صورت است"۔(۵۰)

علم کا مقصد فی الحقیقت عمل ہے اگر علم پر عمل مرتب نہ ہو تو کہا جائے گا کہ یہ علم لغو ہے۔ علم کی غرض وغایت اس کو عمل میں لانا ہے الشيء اذا خلا عن الغاية لَغا (جب شے اپنی غرض وغایت سے خالی ہو جاتی ہے وہ لغو اور بیکار ہو جاتی ہے)۔

اسی طرح علم وعمل کے اجتماع کو ہی حکمت کہا گیا ہے۔ علامہ خطیب شربینی (م۔۹۷۷ھ) لفظ حکمت کے بارے میں علامہ ابن قتیبہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:" قال ابن قتيبة: هي العلم والعمل ولا يكون الرجل حكيماً حتىٰ يجمعها" ابن قتیبہ نے کہا کہ کوئی شخص اس وقت تک حکیم نہیں ہو سکتا جب تک اس میں علم اور عمل دونوں جمع نہ ہو جائیں۔(۵۱)

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ علم کیا ہے؟ فرمایا، دلیلِ عمل، عرض کیا کہ عقل کیا ہے؟ فرمایا بھلائی کی رہنما۔(۵۲)

علم وعمل کا باہمی ربط نبی کریم ﷺ کی درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا کہ کون سے اعمال افضل ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم۔ حتیٰ کہ اس شخص نے نبی کریم ﷺ سے دو مرتبہ یہی سوال کیا اور دونوں مرتبہ نبی کریم ﷺ نے یہی جواب دیا۔ پھر اس شخص نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ میں آپ ﷺ سے عمل کے متعلق پوچھ رہا ہوں جبکہ آپ ﷺ مجھے علم کے متعلق بتا رہے ہیں؟ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ تھوڑا عمل جو علم کے ساتھ عمل ہوگا وہ اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو نفع دے گا، جہل کے ساتھ جو عمل ہوگا وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو کچھ سودمند نہیں ہوگا:

"عن أنس بن مالك: قال: جاء رجلٌ إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله أيّ الأعمال أفضل؟ قال: العلم بالله عزّ و جلّ۔ قال: يا رسول الله أيّ

الأعمال أفضل؟،قال : قال : العلم بالله عزّ و جلّ، قال : یا رسول الله ﷺ أسألك عن العمل و تخبرني عن العلم ! فقال رسول الله ﷺ : انّ قلیل العمل ینفع مع العلم ، وإن کثیرَ العمل لا ینفع مع الجهل"۔(۵۳)

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا۔اس نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل سب سے زیادہ فضیلت والا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم (یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت) ہے۔اس شخص نے کہا کہ پھر اس کے بعد کون سا عمل زیادہ فضیلت والا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے یہی بات فرمائی تو اس شخص نے کہا کہ اے نبی کریم ﷺ! میں آپ سے افضل ترین عمل کے بارے میں پوچھ رہا ہوں اور آپ مجھے علم کے بارے میں بتا رہے ہیں؟ تو نبی کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ چھوٹا سا بھی عمل جو علم کے ساتھ ہوگا وہ زیادہ نفع دے گا یعنی اس کا اجر زیادہ ملے گا۔اس کی بجائے ایسا عمل جو جہالت اور عدم علم کی بنیاد پر ہوگا خواہ وہ کتنا ہی کثیر کیوں نہ ہو کچھ فائدہ نہیں دے گا۔

نبی کریم ﷺ کا طریقۂ تعلیم وتربیت:

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے فرائض کچھ اس طرح بیان کرتاہے :

ا۔ ﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَیُزَكِّیۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ﴾۔(۵۴)

اے ہمارے رب! اور ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیج جو ان پر تیری آیات پڑھے اور انہیں کتاب اور دانائی سکھائے اور انہیں پاک کر، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

ب۔ ﴿كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡكُمۡ اٰیٰتِنَا وَ یُزَكِّیۡكُمۡ وَ یُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَ یُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ﴾۔(۵۵)

جیسا کہ ھم نے تم میں ایک رسول تمہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیات پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں دانائی سکھاتا ہے۔اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

ج۔﴿لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ

وَيُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾۔(۵۶)

اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو ان میں انہیں میں سے رسول بھیجا ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے۔ اگر چہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

د۔﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾۔(۵۷)

وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور بے شک اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے۔ اور دوسروں کے لئے بھی انہی میں سے جو اب تک ان سے نہیں ملے۔ اور وہی غالب با حکمت والا ہے۔

ان آیات کریمہ میں نبی کریم ﷺ کے چار فرائض بیان کیے گئے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

ا۔ تلاوتِ کتاب ب۔ تعلیم کتاب۔ ج۔ حکمت د۔ تزکیہ

مولانا اشرف علی تھانوی ؒ لکھتے ہیں کہ "یہ تفصیلاً تو چار فرائض ہیں مگر مجملاً ایک چیز پر دلالت کرتے ہیں جس کو دین کہتے ہیں، کیونکہ سب دین ہی کے شعبے ہیں اس لیے کہ دین دو چیزوں سے مرکب ہے: ایک علم اور دوسرا عمل، جیسے فن طب کہ اس میں اوّل علم کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر عمل کی۔" (۵۸)

مختصر یہ کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے مندرجہ ذیل اصولِ تعلیم وتربیت سامنے آتے ہیں:

ا۔ تربیت بذریعہ تلاوت:

جب شعوری یا غیر شعوری طور پر کلامِ الٰہی تلاوت کی صورت میں لوگوں کے کانوں میں پڑ جاتا تھا تو لوگ لازمی طور پر اس پر غور کرتے ہوں گے یا نہیں، اگر غور کرتے ہوں گے تو وہ انابت سے ہدایت کے مقام پر آ گئے اور اوثان پرستی کو خیر باد کہہ دیا۔ اور پھر تعلیم کتاب کے ذریعے استقامت اور حکمتِ نبوی سے ربط القلب کے مرتبہ پر پہنچ جاتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کا صرف تلاوت فرمانا خود آپ ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ نبی امی ﷺ کی زبان سے ایسے غیبی مضامین جن کی کوئی نظیر نہ ہو اور بلاغت پر مبنی کلام جس سے عرب کے ادباء عاجز آ رہے ہوں، یہ بات آپ ﷺ کی رسالت پر دلیل ہے۔ ولید بن مغیرہ قرآن کریم کی آیات سن کر قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ

کے برحق ہونے کوتسلیم کرتا تھا،مگرمحض عناد کی وجہ سے اسلام قبول نہ کیا،درج ذیل آیات اس پر شاہد ہیں: ﴿ إِنَّـهُ فَـكَّـرَ وَقَـدَّرَ ﴾ (بے شک اس نے سوچا اور اندازہ لگایا)(۵۹) اسی طرح حضرت عمرؓ بھی ابتداً قرآن کریم کی تلاوت سے متاثر ہوئے۔

ب۔ مراتبِ انسانی اور تعلیم وتربیت:

درج بالا چار آیات میں سے پہلی آیت میں الفاظِ تلاوت کے بعد تعلیمِ کتاب کا ذکر ہے۔ایک بچہ کی تعلیم وتربیت کی ترتیب عام طور پر یہی ہوگی: تلاوت،تعلیم،حکمت،تزکیہ،اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ علم کو عمل پر ترجیح ہے اسی لیے سورۃ بقرہ میں دعائے ابراہیمی میں یہ ترتیب بیان کی گئی ہے۔

جبکہ درج بالا باقی تین آیات میں تلاوت کے بعد تعلیمِ کتاب کا نہیں بلکہ تزکیہ کا ذکر ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صرف بچوں کی زندگی کے ایک مرحلہ سے لے کر جوانی تک پرورش اور تربیت نہیں کی بلکہ آپ کے مخاطبین میں ہر عمر اور ہر ذہنی سطح کے لوگ ہوتے تھے۔اس لحاظ سے آپ کے پیش نظر صرف ایک ترتیب نہیں رہ سکتی تھی۔اس لیے آپ نے دوسری ترتیب کو بھی ملحوظ خاطر رکھا۔انسانی معاشرہ میں مختلف ذہنی استعداد کے لوگ ہوتے ہیں۔"تربیت" تعلیم سے عام ہے اس لیے صرف تربیت کی تو سب کو ضرورت ہوتی ہے مگر تعلیم وتربیت دونوں کی ضرورت اذکیاء اور اہل عقل کو ہوتی ہے۔انسانی معاشرہ میں مختلف ذہنی اور عقلی درجات کے لوگ ہوتے ہیں جیسے ادنیٰ،اوسط اور اعلیٰ وغیرہ۔عقل میں اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو تعلیم اور تربیت کی جبکہ غبی اور ادنیٰ عقل والوں کو تربیت کی ضرورت ہوتی ہے علم ذیلی طور پر یا ضمناً ان کو حاصل ہو جاتا ہے۔برہان الدین بقاعی لکھتے ہیں کہ علامہ بقاعی لکھتے ہیں کہ آیت میں تزکیہ کو اس لیے مقدم رکھا گیا ہے،کیوں کہ یہ شرک اکبر سے براءت کی علامت ہے جب ایسی صورت حال ہوگی تو ایک متزکی شخص کے پاس جب علم یعنی حق آئے گا تو وہ اس کو قبول کر لے گا۔

"تقديم التزكية التى رأسها البراء ة من الشرك الأ كبر ليقبلوا ما جاء هم من العلم"۔(۶۰)

مولانا غلام رسول سعیدی درج بالا تین آیات میں تلاوت کے بعد تزکیہ کے ذکر کے متعلق لکھتے ہیں کہ "تزکیہ،کتاب اور حکمت کی تعلیم کے لیے علت غائیہ ہے اور علت غائیہ ذہن میں مقدم ہوتی ہے اور خارج میں مؤخر ہوتی ہے۔کتاب اور حکمت کی تعلیم کی غرض وغایت یہ ہے کہ انسان کے ظاہر اور باطن کی اصلاح ہو،لہٰذا جس تزکیہ اور اصلاح کے لیے تعلیم دی جاتی ہے اس سے پہلے ذہن میں اس کا تصور ہوگا،پھر اس کے حصول کے

لیے آیتوں کی تلاوت کی جائے گی اور کتاب وسنت کی تعلیم دی جائے گی، پھر اس کے نتیجہ میں ظاہر اور باطن کی اصلاح عمل اور وجود میں آئے گی۔ اس آیت میں وجود ذہنی کے لحاظ سے تزکیہ کو مقدم کیا گیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں وجود خارجی کے لحاظ سے تزکیہ کو مؤخر کیا ہے اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ قوت نظریہ کے کمال کے بعد قوت عملیہ کا کامل ہونا یا اصلاح عقائد کے بعد اصلاح عمل ہونا اور ظاہر اور باطن کا نیک ہونا تزکیہ ہے۔" (۶۱)

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ "صغرسنی میں علم کا حصول آسان ہے جبکہ کبرسنی میں ایک مصیبت سے کم نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اکثر لوگوں کے لیے اولیٰ یہی ہے کہ عمل میں مشغول ہوں اور علم صرف اسی قدر حاصل کریں جس قدر عمل کی پہچان کے لیے ضروری ہے۔" (۶۲)

بعض لوگ غباوت اور بعض کبرسنی کی وجہ سے علم حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح عرب معاشرہ میں اُمّیت بھی عام تھی۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "نحن أمة أمية لا نكتب ولا نحسب" (کہ ہم تو ان پڑھ امت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کتاب کرتے ہیں)۔ (۶۳)

ب۔ تعلیم وتربیت میں فرق:

درج بالا چار آیات میں جو مقاصد بعثتِ نبوی بیان ہوئے ہیں ان پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تعلیم وتربیت میں باہمی ربط وتعلق بھی ہے اور فرق بھی ہے۔ تعلیم اور تربیت میں ترتیب مخاطب کے مزاج کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے، بعض اوقات پہلے تعلیم اور پھر تربیت حاصل کی جاتی ہے، بعض مرتبہ عمل یا تربیت پہلے حاصل کی جاتی ہے، مثلاً ایک شخص نے نماز کا علم درسی طور پر حاصل کیا اور پھر نماز پڑھی، جبکہ ایک شخص نے اپنے باپ کی صحبت میں نماز قائم کرنا شروع کر دی، ادائیگیِ نماز سے اس کا علم بھی آ گیا۔ فرق صرف تقدیم وتاخیر کا ہے مگر منزل یا مقصد ایک ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں:

"آج کے دور کا اہم مسئلہ یہ ہے کہ تعلیم کو تو سب کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے مگر تربیت کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ تربیت کی ضرورت تعلیم سے بھی اہم ہے، تعلیمِ درسی (مدرسہ) سے تو ہر اعتبار سے اور مطلق تعلیم سے بعض وجوہ سے تربیت کی ضرورت زیادہ ہے۔ مدرسہ کی تعلیم سے تربیت کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ وہ فرض عین نہیں، صحابہ کرام کی کثیر تعداد درسی علوم سے خالی تھی مگر ان پر کبھی اس کو لازم نہیں کیا گیا، اور تربیت یعنی تہذیبِ نفس ہر شخص پر فرض عین ہے۔ اور مطلق تعلیم سے اس لیے تربیت کی اہمیت زیادہ ہے کہ تعلیم سے

مقصود تربیت ہی ہوتی ہے، کیونکہ تعلیم کا مطلب علم دینا ہے اور تربیت کا مفہوم عمل کرانا ہے، اور علم سے مقصود عمل ہی ہوتا ہے لہٰذا مقصود کا اہم ہونا اظہر من الشمس ہے۔ بہر حال تربیت تعلیم سے اہم ہے اس سے قطع نظر کرنے کی اور اس کو ضروری نہ سمجھنے کی تو کسی حال میں گنجائش نہیں"۔ (۶۴)

اس کی مثال کچھ اس طرح ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک ان پڑھ بدّو آیا اور کہا کہ مجھے ایسا عمل بتایئے جس کے کرنے سے میں جنت میں چلا جاؤں۔ نبی کریم ﷺ نے اُس کو یہ نہیں کہا کہ پہلے کتابت کی تعلیم یا لکھنا پڑھنا سیکھو، پھر اس کے بعد تم کو عمل بتایا جائے گا، بلکہ نبی کریم ﷺ نے اس کو فوراً عقائد اور عبادات بتا دیے۔ اس اَعرابی نے کہا کہ نہ تو میں اس میں کچھ اضافہ کروں گا اور نہ کمی کروں گا۔ جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: جو شخص جنتی آدمی کو دیکھنا چاہے تو اس شخص کو دیکھ لے:

"عن أبی هریره قال : أتی أعرابی النبی ﷺ فقال دلنی علی عمل اذا عملته دخلتُ الجنة ، قال تعبد الله و لاتشرك به شیئاً ـــــ" (۶۵)

اس روایت میں عمل کے متعلق سوال اور اس کے بارے میں ہی جواب دیا گیا، مگر ضمناً اس اَعرابی کو علم بھی حاصل ہو گیا اور نبی کریم ﷺ کی اِن باتوں پر عمل پیرا ہو کر جنتی بھی بن گیا۔ یہی بات بائبل میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے کچھ اس طرح کہی ہے:

"And when the wise is instructed, he receiveth knowledge. اور جب دانا (عقل مند) تربیت پاتا ہے تو علم حاصل کرتا ہے۔" (۶۶)

ج۔ تربیت اور صحبت کی اہمیت:

تزکیہ کے معنی ظاہری و باطنی نجاسات سے پاک کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے ابتداء آفرینش سے ہر زمانے میں نبی کریم ﷺ تک دو سلسلے جاری رکھے ہیں ایک آسمانی کتابوں کا، دوسرا اس کی تعلیم دینے والے رسولوں کا، جس طرح محض کتاب نازل فرما دینا کافی نہیں سمجھا گیا اسی طرح محض رسولوں کو بغیر کتاب بھیجنے پر اکتفاء نہیں کیا گیا، بلکہ دونوں سلسلے برابر جاری رکھے۔ اللہ تعالیٰ کی اس عادت اور قرآن کریم کی شہادت نے قوموں کی صلاح وفلاح کے لیے ان دونوں سلسلوں کو یکساں طور پر جاری فرما کر ایک بڑے علم کا دروازہ کھول دیا کہ انسان کی صحیح تعلیم وتربیت کے لیے نہ صرف کتاب کافی ہے، نہ کوئی مُربیّ انسان، بلکہ ایک طرف کتاب اور دوسری طرف ایک معلّم اور مُربیّ انسان کی ضرورت ہے جو تعلیم وتربیت سے عام انسانوں کو "تخلقوا بأخلاق الله" کا خوگر

بنائے۔

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں: " تعلیم کا کام راستہ دکھلا دینا ہے اور محض تعلیم سے عادۃً اصلاحِ اخلاق نہیں ہوتی۔ جب تک کسی تربیت یافتہ مُربیّ کے زیرِ نظر عملی تربیت حاصل نہ کرلے۔ عمل کی ہمت اور توفیق کسی کتاب کے پڑھنے سے نہیں ہوتی اس کی صرف ایک ہی تدبیر ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کی جائے، اور ان سے ہمت کی تربیت حاصل کی جائے، اسی کا نام تزکیہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴾ (اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ)۔(۶۷)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّھُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡھَہٗ﴾ (اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ باندھے رکھو جو دن رات اللہ کو پکارتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں)۔(۶۸)

مفسرین نے آیتِ کریمہ ﴿ وَ یُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ سے اعتباراً عالم باعمل لوگوں کی "صحبت" کے معنی مراد لیے ہیں۔

عہدِ نبوی میں "یزکیھم" کی عملی صورت کیا تھی؟ تو اس کی یہی صورت تھی کہ صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کی صحبت اختیار کیے ہوئے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی تربیت اور تزکیہ کی مثال کچھ اس طرح ہے کہ آپؐ کی خدمت میں ایک قبیلہ کا وفد آیا اور کہا کہ ہم آپؐ پر اس شرط کے ساتھ ایمان لاتے ہیں کہ ہم فجر اور عشاء کی نماز نہیں ادا کریں گے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی یہ بات مان لی۔ صحابہ کرام اس پر حیران تھے۔ مگر ایک ماہ بعد ان لوگوں کے دلوں میں خود خیال پیدا ہوا کہ فرض تو ساری نمازیں ہیں جبکہ ہم تین نمازیں ادا کر رہے ہیں دو اَدا نہیں کر رہے، عدم ادائیگی کی وجہ سے گناہ گار ہو رہے ہیں۔ تو اسلام لانے کا فائدہ کیا ہوا؟ اور پھر پانچوں نمازوں کے پابند ہو گئے۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی حکیمانہ تربیت پر دلالت کرتا ہے۔ تعلیم میں تو سب برابر ہیں کہ پانچوں نمازیں فرض ہیں، مگر اس سے آگے عمل کی بات ہے۔ عمل میں تربیت کی ضرورت پڑتی ہے اور تربیت میں حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تعلیم میں تو طبیب سب کے سامنے ایک ہی مسئلہ بیان کرے گا۔ لیکن جب وہ علاج کرنے بیٹھے گا تو ہر ایک کا الگ الگ نسخہ لکھے گا، چونکہ ہر ایک کا مزاج الگ ہوتا ہے۔

اصطلاحِ سلف میں صحابی کو صحابی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ نبوی ﷺ صحبت یافتہ تھے۔ اور اسی لیے استاد

شاگرد کی اصطلاح سلف میں یہی تھی: اصحاب ابی حنیفہ، اصحاب شافعی، اصحاب محمد، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ صحبت یافتہ تھے۔

د۔ وحدتِ تعلیم وتربیت:

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اوران کے طریقِ تربیت میں دین ودنیا کی یکجائی پائی جاتی تھی، آپؐ کی تعلیمات اورتربیت قرآن کریم کی آیت کی عملی تفسیر تھی: ﴿ رَبَّنَـآ اٰتِـنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّ فِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَـا عَذَابَ النَّـارِ ﴾ (اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا)۔ [۶۹]

ھ۔ جامعیت تعلیم وتربیت:

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ پایا جاتا ہے۔ معیشت ہو یا سیاست، معاشرت ہو یا اخلاق۔

تعلیم وتربیت میں اعتدال:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ عرب کی تین قوموں کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس آپؐ کی کی عبادت کا حال دریافت کرنے آئے، جب ان کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال بتایا گیا تو انہوں نے اس کو بہت کم سمجھا، اور آپس میں کہنے لگے کہا ہم اور کجا مسلمانوں کے پیغمبر۔ ان کو تو زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت نہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہوں سے پاک کر دیا ہے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم تو ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کریں گے۔ دوسروں نے کہا ہم ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کریں گے اور کبھی روزہ نہ چھوڑیں گے۔ دیگر لوگوں نے کہا ہم عورتوں کے پاس نہ جائیں گے اور شادی نہ کریں گے۔ اسی دوران نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا: خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ اس کے حضور میں پاک رہنا چاہتا ہوں۔ لیکن میں تو روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس جس نے میری سنت سے منہ پھیرا وہ میرے ساتھیوں میں سے نہیں۔ "عن أنس قال جاء رهط الى ازواج النبی ﷺ یسألون عن عبادة النبی ﷺ ۔۔۔ فجاء

النبی ﷺ الیهم فقال : أنتم الذی قلتم کذا و کذا، والله انی لأخشاکم لله وأتقاکم له لکننی أصوم وأفطر وأصلی وأرقد وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتی فلیس منی"۔ (۷۰)

ذ۔ تعلیم وتربیت اور خاندان:

نبی کریم ﷺ نے معاشرہ میں موجود تمام طبقات کو تعلیم وتربیت سے مزین کیا۔ مگر اس میں یہی اصول پیش نظر رکھا جس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ تعلیم کے ذریعے تربیت، یا صرف تربیت وتزکیہ اور پھر اس کے ذریعے بالواسطہ طور پر علم کا حصول۔ نبی کریم ﷺ نے تعلیم وتربیت کا ایسا نظام ترتیب دیا کہ خاندان، محلّہ، معاشرہ اور حکومتی سطح پر " کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیته" (۷۱) کے اصول کے تحت ہر فرد کو ایک دوسرے کا نگہبان ونگران بنا دیا، اور اس میں حفظِ مراتب کا اصول بھی پیش نظر رکھا۔ ہر شخص اپنے ماتحت اور زیر تربیت شخص کو تعلیم بھی دے گا اور اس کا تزکیہ وتربیت بھی کرے گا۔ اس طرح اسلامی معاشرہ میں خواہ خاندان ہو یا محلّہ، معاشرہ ہو یا خلافت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تنبیہ، تذکیر، تعلیم اور تزکیہ کرتا رہے گا۔ بچوں کی تربیت کے بارے میں فرمایا:

" ما نحل والد ولدَه من نحل أفضل من أدب" (۷۲)۔

بیٹیوں اور بہنوں کی تربیت کے متعلق فرمایا:

"من عال ثلث بنات أو ثلث أخوات أو أختین أو بنتین فأدبهن وأحسن الیهن وزوجهن فله الجنة" (۷۳) ایسے پڑوسی جو تعلیم وتربیت سے محروم ہوں، ان کی تعلیم وتربیت کے متعلق آپؐ نے لوگوں کو تنبیہ کی اور ان کو تعلیم وتربیت کی ذمہ داری کا احساس دلایا، آپؐ نے فرمایا:

" عن علقمة قال : قال رسول الله ﷺ ما بال أقوام لا یفقهون جیرانهم ولا یعلمونهم ولا یعظونهم ولا یأمرونهم ولا ینهونهم ۔۔۔" (۷۴)

تعلیم وتربیت کا باہمی تعلق اور صحابہ کرام:

ہر تہذیب کے نظام تعلیم وتربیت کے پس منظر میں اس تہذیب کی شخصیات موجود ہوتی ہیں جو اس تہذیب کا آئیڈیل بن چکی ہوتی ہیں اور اس تہذیب کے بچوں کی تعلیم وتربیت بھی انہی آئیڈیل اشخاص کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ اسلامی علوم میں ادب، تربیت، تزکیہ وغیرہ میں سے کوئی بھی لفظ جب بولا جاتا ہے تو ان

الفاظ کا مصداق جو خارج میں موجود ہے وہ خود نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے، ان کا منہج وطریقہ تربیت ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کے لیے نبی کریم ﷺ کی ذات ہی آئیڈیل ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ کی سنتِ عادیہ اور سنتِ عبادیہ میں تمیز کیے بغیر حتی الوسع اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور صرف کوشش ہی نہیں کرتا بلکہ اس میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ صحابہ کرام نہ صرف خود اس میں ڈھلنے کی کوشش کرتے تھے بلکہ اپنے بچوں کی طبائع واخلاق کو بذریعہ تربیت کو بھی اس میں ڈھالنے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی کو حدیثِ نبوی میں "تخلقوا بأخلاق الله" کا عملی مصداق ٹھہرایا گیا ہے۔

مولانا قاسم نانوتوی لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)(۷۵) اسی طرح نبی کریم ﷺ کے بارے میں بھی فرمایا گیا: ﴿النبي أولىٰ بالمؤمنين من أنفسهم﴾ (نبی کریم ﷺ ان کے نفسوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں)(۷۶) اس لیے حقوقِ نبوی، حقوقِ والدین جسمانی سے زیادہ ہوں گے۔ کیونکہ اس آیت میں لفظ "اولیٰ" اَولیٰ بالتصرف کے معنی میں آیا ہے۔ اس لیے کہ تصرف کے لیے مالکیت ضروری ہے اور بوجہ اقربیت مذکورہ نبی کریم ﷺ ارواح کے مالک ہیں۔ ارواح خود اپنی مالک نہیں ہیں۔ اور روح نبوی اور ارواح مؤمنین کے درمیان ایسا رابطہ اور ارتباط ہے کہ جو منشاء انتزاع اور انتزاعات میں ہوا کرتا ہے۔ اور حیات مؤمنین ان کے حق میں ایک صفتِ عرضی بمعنی بالعرض ہوگی، جس کا موصوف بالذات نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہوگی، اور صفاتِ ذاتیہ قابلِ انفکاک نہیں ہوتیں، جبکہ صفاتِ عرضیہ قابلِ زوال ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس بات کا قائل ہونا پڑے گا نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس اور حیات میں نسبت ضرورتِ ذاتیہ ہے اور نفوسِ مؤمنین اور حیات میں نسبت امکانی ذاتی ہے، بالجملہ حیات نبوی ﷺ دائمی ہے۔ یہ بات ممکن نہیں کہ آپ ﷺ کی حیات زائل ہو جائے جبکہ مؤمنین کی حیات عارضی ہے اور زائل ہوسکتی ہے۔ اس لئے کہ صفاتِ عرضیہ حقیقت میں صفات ہی نہیں ہوتیں، موصوف کے ذمہ فقط تہمتِ اتصاف لگ جاتی ہے۔ حقیقت میں صفاتِ عرضیہ کا مالک موصوف بالذات ہوتا ہے۔(۷۷)

اسی وجہ سے اگرچہ والدین کی فرماں برداری واجب ہے مگر گناہ ومعصیت میں واجب نہیں۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس أقرب الی المؤمنین ہے تو ہر دور میں بالخصوص آج تعلیم وتربیت میں بھی ذاتِ نبوی ﷺ کی اتباع وپیروی اولیٰ ہے۔

دیگر انبیاء کرام کی نسبت نبی کریم ﷺ کو چونکہ تعلیم وتربیت کا زیادہ وقت ملا۔اس سے نبی کریم ﷺ کی بالقوہ صلاحیتیں بالفعل آتی رہیں ۔ جبکہ دیگر انبیاء میں یہ صلاحیتیں اگرچہ بالقوۃ موجود تھیں مگر بالفعل کی صورت نہ اختیار کرسکیں۔مگر اس کے برعکس نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس جس علم واخلاق میں کاملیت کی حامل تھی اسی طرح ان کی شخصیت میں جامعیت بھی تھی کہ ان کی تعلیمات زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں۔ اس طرح گویا کہ دین کے تمام پہلوؤں میں خواہ وہ معاشرت ہو یا سیاست ،تعلیم وتربیت ہو یا معیشت، اپنی بالقوۃ صلاحیتوں کو عملی شکل دینے کا موقع ملا۔اس کا فائدہ نبی کریم ﷺ کی صحبت میں تعلیم وتربیت پانے والوں کو ہوا اوران کی عملی تربیت بھی ہوئی۔اس طرح صحابہ کرام کے سامنے دین کا ایک کُلّی تصور آیا اور دین کے کل اجزاء کا عملی نفاذ نہ صرف دیکھا بلکہ شریک کار رہے۔اسی نبوی صحبت اور تعلیم وتربیت کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد صحابہ کرام نے دین کو اس کے تمام اجزاء کے ساتھ بطریق احسن قائم ودائم رکھا۔

جبکہ دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرتیں تو اس کی وجہ خود ان کی شخصیت ہے کہ ان کو اپنی ان صلاحیتوں کو بالفعل لانے کا موقع نہیں ملا، یہ وجہ نہیں کہ ان میں ان صلاحیتوں کا فقدان تھا۔ان انبیاء علیہم السلام کو ایسے افراد کار بھی میسر نہ آسکے کہ ان کے بعد اپنے انبیاء کی تعلیمات کو عملی شکل دیتے۔

اسی طرح ہر فکر اور مذہب میں ایک آئیڈیل انسان یا انسانِ کامل کا تصور ہوتا ہے جو اس کی تعلیمات کا نتیجہ ہوتا ہے اور جن کی روشنی میں انسان متشکل ہوتا ہے۔ اسی اصول کے تحت عیسائیت اور یہودیت اور دیگر مذاہب کے ہاں انسانِ کامل کا تصور پایا جاتا ہے۔مگر بدقسمتی سے اِن کا انسانِ کامل معروض میں موجود نہیں ہوتا، صرف نظری حد تک ہوتا ہے۔اسی لیے یہ مذاہب اپنے آئیڈیل کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس اسلام میں آئیڈیل یا انسانِ کامل کا جو تصور ہے وہ نبی کریم ﷺ کی صورتِ اقدس میں خارج میں بھی موجود ہے۔ اگرچہ عیسائیت اور یہودیت کے انبیاء کی صورت میں ان کا آئیڈیل موجود ہے مگر ان کے انسانِ کامل کا تصور ادھورا ہے، کیونکہ انسانِ کامل ایسا ہونا چاہیے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہو، اور اس کی شخصیت زندگی کے ہر میدان معیشت، سیاست بین الممالک، معاشرت اور تعلیم وتربیت میں رہبر ورہنما ہو۔جس شخصیت میں زندگی کے ان تمام پہلوؤں میں کاملیت نہیں ہے وہ آئیڈیل نہیں کہلاسکتی۔ اس لحاظ سے نبی کریم ﷺ کی شخصیت زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔

جس طرح کسی کی صحبت اور تعلیم وتربیت میں رہ کر اس معلّم کی شخصیت کے اثرات اور رجحانات شاگرد میں موجزن ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہ کر جن نفوسِ قدسیہ نے تعلیم وتربیت حاصل کی، ان کے سامنے دین کی نہ صرف کامل صورت آ گئی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نبوی صحبت اور تعلیم وتربیت کی وجہ سے ان نفوسِ قدسیہ میں اپنے معلّم ﷺ کے مختلف شئوون (شان کی جمع) موجزن ہوئے۔ کسی میں شانِ عدالت کا غلبہ تھا تو کسی میں شانِ قضاء کا، کسی میں شانِ شجاعت کا غلبہ تھا تو کسی میں صفتِ حیاء کا، اور اسی طرح کسی میں شانِ صداقت کا غلبہ تھا۔ پھر ان مختلف شئوون کے اثرات کی وجہ سے اِن نفوسِ قدسیہ نے دنیا میں ایسا نظامِ عدل قائم کیا کہ غیر مسلم بھی مسلمانوں کی حکمرانی کو پسند کرتے تھے۔

اب ظاہر ہے کہ جس جماعت نے خود صحبتِ نبوی میں رہ کر اور سلسلہِ تعلیم وتربیت کے ذریعے دین کے کل اجزاء کا عملی نفاذ دیکھا ہو اور سیکھا ہو تو ان صحابہ کرام کی شان اور عظمت کیوں نہ بڑھی ہوئی ہوگی، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾ (۷۸)

(پس اگر وہ ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت پا گئے)

اور پھر اللہ تعالیٰ ان صحابہ کرام پر ہونے والے اعتراضات کا جواب بھی خود دیتے ہیں:

﴿ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۔ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ ﴾ (۷۹)

اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ، جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں۔ خبردار وہی بے وقوف ہیں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے جن افراد کو تعلیم وتربیت سے مزین کیا اور ان کا تزکیہ کیا تو نبی کریم ﷺ کے ان تربیت یافتہ افراد کو اللہ تعالیٰ نے بھی پسند کیا اور یہ بات دراصل ان کے معلّم نبی کریم ﷺ کی پذیرائی پر دلالت کرتی ہے۔ گویا کہ نبی کریم ﷺ کے منہج اور اسلوبِ تعلیم وتربیت کو پسند کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ﴾ (۸۰)

محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں۔ تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع وسجود کر رہے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾ (۸۱)

بے شک اللہ مسلمانوں سے راضی ہوا، جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اس نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اس نے ان پر اطمینان نازل کر دیا۔ اور انہیں جلد ہی فتح دے دی۔

آج صحابہ کرامؓ کے عیوب ونقائص بیان کرنا ایسا ہے کہ گویا کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم وتربیت میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ اسی لیے ان نفوسِ قدسیہ کے بارے میں یہ قاعدہ ہے کہ "الصحابة کلهم عدول" (تمام صحابہ عادل ہیں)۔ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے صحابیوں کو برا مت کہو، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا راہِ خدا میں خرچ کرے گا تو صحابہ کے سیر بلکہ آدھا سیر خرچ کرنے کے بھی برابر نہ ہوگا۔ (۸۲)

اسلامی نظام تعلیم وتربیت (تاریخی تناظر میں):

تمام مذاہب وادیان کا تصور علم ہوتا ہے اسی تصورِ علم کے تحت اس مذہب یا دین کے حامل فرد کی شخصیت تشکیل پاتی ہے۔ چنانچہ جوہر انسانی وجود کا حیاتیاتی، جبلی اور وہبی حصہ ہے جب کہ شخصیت ہمارے وجود کا وہ حصہ ہے جو تہذیبی اثرات اور ماحول سے اخذ کرتے ہیں۔ بچہ میں شخصیت نہیں ہوتی صرف جوہر ہوتا ہے۔ تعلیم وتربیت کے ذریعے اس میں شخصیت پیدا ہونے لگتی ہے یعنی وہ اپنے تہذیبی اثرات قبول کرنے لگتا ہے۔ اب چوں کہ بچہ کا قریب ترین ماحول اس کا گھر ہوتا ہے اور ابتدائی تہذیبی اثرات اسے عموماً والدین سے پہنچتے ہیں اس لیے وہ سب سے پہلے اپنے گھر اور والدین کے اثرات قبول کرتا ہے۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ محلّہ اور معاشرہ کے اثرات ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اسی لحاظ سے گھر، محلّہ اور معاشرہ غرض ہر سطح پر تعلیم وتربیت کی کوشش کی تاکہ اسوۂ نبوی ﷺ سے مزین شخصیت پروان چڑھ سکے۔ کیونکہ تربیت سے شخصیت پروان چڑھتی ہے اور استحکامِ شخصیت ہی سے اعلیٰ کردار ظہور میں آتا ہے۔ اعلیٰ کردار تعمیری عادات کے انضباط وتسلسل کا نام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ

ایک دن میں نہیں بن سکتا۔

نبی کریم ﷺ اپنے عہد میں علم وعمل کی اشاعت اوراس کے فروغ کے لیے کوشاں رہے۔آپؐ نے نہ صرف صحابہ کرام کی تربیت فرمائی بلکہ ان کومختلف علاقوں میں دیگر لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لیے بھی روانہ فرمایا۔ جیسا کہ واقعہ بئر معونہ، جس میں نبی کریم ﷺ نے چار ہجری میں ابو براء عامر بن مالک کی درخواست پر صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ستر (۷۰) معلمین کوتعلیم وتربیت کے لیے بھیجا۔ (آخر پر عہدِ نبوی میں تعلیم وتربیت کا جوسلسلہ تھااس کے لیے دیکھیے جدول نمبر۱،۲،۳)۔

نبی کریم ﷺ نے ایسا نظام تعلیم وتربیت ترتیب دیا جومعاشرہ کے ہر ذہنی استعداد کے حامل شخص اور ہر عمراور سطح کے افراد کواپنے دائرہ میں لیے ہوئے تھا،اور یہ معاشرہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کا مصداق بن کررہ گیا:

" عن عبدالرحمٰن عن النبی ﷺ قال: أغد عالماً أو متعلماً أو مستمعاً أو محباً ولا تکن الخامسة فتهلك" (۸۳) عبدالرحمان سے مروی ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مومن کو چاہیے کہ وہ یا عالم ہوجائے یا متعلم یا سننے والا یا محبت کرنے والا اس کے علاوہ پانچواں مت بنے کہ وہ ہلاک ہو جائے گا۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی مختلف استعداد اورمختلف سطح اورمختلف عمر کے لوگ تھے۔آپؐ نے ان کواپنی ادارتی صف بندی کے ذریعے ایک لڑی میں پرودیا:

ا۔مسجد ب۔مدرسہ ج۔صفہ د۔بیوتِ صحابہ

بعض صحابہ تو علم وعمل اورعلمِ کتابت میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔بعض صحابہ اگرچہ علم کتابت سے آگاہ نہیں تھے مگر علم وعمل اوربعض عمل میں امتیازی مقام کے حامل قرار پائے۔کیونکہ اصل تو تربیت ہےاور جب زیرِتربیت علم سے بے بہرہ نہیں ہوتا صرف ترتیب کی تقدیم وتاخیر ہوتی ہے کہ افضل طریقہ یہ ہے کہ پہلے تعلیم اور تربیت ساتھ ساتھ چلیں جبکہ دوسرا یہ کہ پہلے عمل وتربیت اور پھرتربیت کے ساتھ ساتھ علم حاصل کیا جائے۔

نبی کریم ﷺ کا یہی طریقہ اورمنہج عہدِ صحابہ وتابعین میں نظر آتا ہے۔یہی نبوی تربیت وصحبت یافتہ نفوسِ قدسیہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے تو انہوں نے وہاں بھی اسی طریقہ کورواج دیا،اور وہاں اِن صحابہ کرام کی ذات ہی تعلیم وتربیت کا محورومرکز ہوتی تھی۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر وارکان یہ تین چیزیں تھیں: ا۔ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی، آپؐ کی زندگی، سیرت واخلاق۔ ب۔ قرآن مجید۔ ج۔ آپؐ کے ارشادات وہدایات، مواعظ ونصائح اور تعلیم وتلقین۔ (۸۴)

آنے والے دور میں جب علوم کا پھیلاؤ بڑھا تو لامحالہ تزکیہ وتربیتِ روحانی کے مناہج اور طرق میں بھی وسعت آئی۔ تو اسی تزکیہِ قرآنی کا نام تصوف ہوگیا اور ظاہری اعمال کا نام فقہ ہوگیا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ ابتداً شریعت اعمالِ ظاہری اور باطنی دونوں پر محیط تھی، لیکن آگے چل کر شریعت کے جزو متعلقہ بہ اعمال ظاہری کا نام فقہ اور جزو متعلق بہ اعمالِ باطنی کا نام تصوف ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اور تصوف میں تضاد نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں۔ اعمالِ باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ (۸۵)

مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ "بات یہ ہے کہ عام حیوانات کے مقابلہ میں "الانسان" ایک تعلیمی حقیقت ہے، یعنی جن چیزوں کے علم سے خالی جاہل ہو کر پیدا ہوتا ہے، تعلیم کے ذریعے سے ان کو جاننے کی صلاحیت آدمی ہی میں ہے، میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن کی پہلی نازل شدہ آیتوں میں قراءت (خواند) تعلیم بالقلم (نوشت) کا ذکر کرنے کے بعد ﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (۸۶) "سکھائی انسان کو وہ باتیں جنہیں وہ نہیں جانتا" کی آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، لیکن اسی کے بعد ارشاد ہے: ﴿كَلَّآ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغٰى﴾ (۸۷) "خبردار؛ بلاشبہ انسان سرکش ہو جاتا ہے۔" "الانسان تعلیمی حقیقت ہے" پھر ایک تنبیہی کلمہ "کلاّ" کے بعد فرمانا کہ "الانسان سرکش ہو جاتا ہے" ظاہر ہے کہ محض کوئی اتفاقی بات نہیں ہے بلکہ جو مشاہدہ ہے اسی کا اظہار ہے، یعنی نہ جانی ہوئی چیزوں کے جاننے کی جوں جوں آدمی میں صلاحیت بڑھتی جاتی ہے، دیکھا جاتا ہے کہ اسی نسبت سے اس میں طغیان اور سرکشی کی لہریں بھی اُٹھنے لگتی ہیں، وساوس وشکوک، تنقید واعتراض یہ قصے ظاہر ہے کہ جاہلوں اور کُند دماغوں میں نہیں پیدا ہوتے، بلکہ یہ سارے عوارض علم کے ہیں، شاید یہ مبالغہ نہ ہو کہ دماغوں پر جتنا اچھا اثر جس تعلیم سے زیادہ پڑتا ہے اسی قدر اس تعلیم سے سرکشی اور طغیان کی تولید بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ علم کا بھی وہ خطرناک پہلو ہے کہ اس پہلو کی جانب سے معمولی غفلت ہمیشہ خطرناک نتائج کو پیدا کرتی رہی ہے، تعلیم اور ایجوکیشن کے خلاف بعض دلوں میں جو مخالفت پائی جاتی ہے، دراصل علم کے ان ہی طغیانی نتائج پر ان کی مخالفت مبنی ہے خواہ ان کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو۔ بہرحال مسلمانوں کو پہلی نازل شدہ صورت میں تعلیم کے اس خطرناک پہلو پر بھی متنبہ کر دیا گیا تھا، مجھے اس وقت

دوسرے ممالک سے بحث نہیں لیکن ہندوستان کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ جس زمانے سے اس ملک میں اسلامی تعلیم کا نظام قائم کیا گیا، اسی زمانے سے آخر وقت تک جب تک زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح تعلیمی شعبہ بھی مسلمانوں کا برباد نہ ہوا تھا، یہ قرآنی نکتہ ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ دماغی تربیت و اصلاح کے ساتھ ساتھ لزومی طور پر قلبی اصلاح کی طرف توجہ تعلیم کی ایک ناگزیر ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ ساتویں صدی سے بارہویں صدی کی اس طویل مدت میں آپ مشکل ہی سے کسی ایسے عالم کی نشاندہی کر سکتے ہیں جس نے مدرسے سے نکلنے کے بعد یا مدرسی زندگی کے ساتھ ساتھ کسی خانقاہ سے تعلق نہ پیدا کیا ہو، خود قرآن میں علم کے اس طغیانی پہلو پر چونکانے کے بعد ﴿اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی﴾(۸۸) "اس لیے آدمی سرکش ہو جاتا ہے وہ اپنے آپ کو بے نیاز پاتا ہے" کے الفاظ سے اس سبب کو ظاہر کیا گیا تھا، جس کی وجہ سے اہل علم میں یہ بیماری پیدا ہو جاتی ہے، گویا پڑھ لکھ لینے کے بعد آدمی یہ باور کرنے لگتا ہے کہ اب میں خود سوچ سکتا ہوں، دوسروں سے مشورہ لینے کی مجھے کوئی حاجت نہیں، حق و باطل میں امتیاز میرا دماغ خود پیدا کر سکتا ہے، علم کا یہی استغنا انسانیت کی موت ہوتی ہے، الغرض مرض (طغیان) سبب مرض استغنا کے بعد ﴿اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی﴾(۸۹) (علاج اس کی طغیانی کا یہ ہے کہ تیرے رب کی طرف واپسی ہو) کو اس طغیان کا واحد علاج بتایا گیا ہے، اسی قرآنی حکم کی تعمیل کی یہ شکل تھی کہ جن کے پاس رب تھا؟ ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، اپنی صحبت اپنی تربیت میں رکھ کر رجوع کرنے والے کو بھی اس کے رب کی طرف وہ پھیر دیتے تھے، اسی کا اصطلاحی نام پیری مریدی یا بیعت وصحبت تھا ،قرآن کے بینات بتا رہے تھے کہ خدا کی طرف رجوع کرنے کی شکل اس ہبوطی زندگی میں بنی آدم کے لیے یہی ہے کہ خدا والوں کی طرف پلٹا جائے۔ ﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾(۹۰) "اور میرے راہنمائی کی جس نے پیروی کی نہ اس کو اندیشہ ہے اور نہ وہ کُڑھیگا" کی وصیت اس وقت بھی کی گئی تھی جب آدم کو اس ہبوطی زندگی گزارنے کے لیے بھیجا گیا تھا اور یہی اس وقت بھی کہا گیا جب آخری پیغام لانے والے نے پیغام سناتے ہوئے کہا ﴿اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾(۹۱) "اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو"۔ اور قیامت تک کے لیے یہ منادی کر دی گئی ﴿وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ﴾(۹۲) "اور پیچھے پیچھے چلو ان لوگوں کی راہ پر جو میری طرف جھک پڑے ہیں"۔ جس زمانے میں جس کی انابت رب کی طرف زیادہ ہوگی، اسی حد تک وہی اس کا زیادہ مستحق سمجھا جائے گا، کہ لوگ اس کی راہ پر چلیں، اسی کا رنگ اسی کا ڈھنگ اختیار کریں، ہمارے تعلیمی نظام کا آخری اختتامی جز یہی چیز تھی، مدرسوں میں دماغوں کو بنایا جاتا تھا اور خانقاہوں

میں دلوں کو سلجھایا جاتا تھا اور تب جا کر وہ نتائج پیدا ہوتے تھے۔ بہر حال انابت الی اللہ اور ہر طرف سے ٹوٹ کر خدا ہی کے قدموں پر جھک جانے والوں کا اصطلاحی نام "صوفیہ" اور ان کے علمی اور عملی نظام کا نام "تصوف" تھا ۔دستور تھا کہ رسمی علوم سے فارغ ہونے کے بعد لوگ اسلام کے اسی طبقہ کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور اپنی اپنی مناسبتوں کے لحاظ سے ان بزرگوں میں سے کسی کو نمونہ بنا کر ان کی صحبت اور ان کی نگرانی میں زندگی گزارتے تھے۔ علمی شکوک اور ذہنی شبہات کے گرد وغبار سے دماغ جو بھر جاتے تھے، اس کی شُست وشُو ان ہی ہستیوں کی رفاقت اور تبعیت میں میسر آتی تھی، یقین وایمان کی برفانی سلوں سے جن کے سینے معمور تھے وہ اپنی خنکیوں کو دوسروں تک منتقل کرتے تھے۔ کردار کی استواری، سیرت کا استحکام، دین کا وقار وجلال خود بخود ان مثالی نمونوں کو دیکھ کر لوگوں میں اپنی اپنی استعداد کے مطابق پیدا ہو جاتا تھا۔ اور اس وقت ملت کی صحیح رہنمائی کا استحقاق اہلِ علم کو حاصل ہوتا تھا۔"(۹۳)

چنانچہ پورے عالم اسلام میں مسلمانوں نے جہاں مدارس کی شکل میں تعلیمی ادارے قائم کیے وہاں زاویہ، رباط، دائرہ اور خانقاہ ناموں سے تربیتی ادارے بھی قائم کیے۔ اس طرح تعلیم وتربیت میں اعتدال کا وہ سلسلہ جو نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے شروع ہوا اس نے آگے چل کر اِدارتی صف بندی کی صورت اختیار کر لی۔ مؤرخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن علی (م۔۸۴۵ھ) جو علامہ مقریزی کے نام سے مشہور ہیں، اپنی کتاب "المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار" کی چوتھی جِلد اِن اداروں کے تعارف اور ان کی اہمیت کے متعلق وقف کی ہے۔(۹۴)

آج اگر چہ ان تربیتی اداروں کو مطعون ٹھہرایا جا رہا ہے مگر معاشرہ میں اعتدال اور اسوۂ نبوی کو عملی جامہ پہنانے میں ان اداروں نے اہم کردار ادا کیا۔ جس طرح کسی ہسپتال میں مریض کے علاج میں غفلت برتنے پر وہ ہسپتال بحیثیت ادارہ بند نہیں کیا جا سکتا اسی طرح اِن اسلامی تربیتی اداروں کی اہمیت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اصلاح کی گنجائش ہر دو (ہسپتال، زاویہ) میں رہتی ہے۔

تعلیم وتربیت کا باہمی ربط اور مذاہب کا تقابلی مطالعہ:

افراط اگر اعتقادات میں ہو تو اس کو غلو کہتے ہیں اور اگر علم میں ہو تو اس کو تعمق کہتے ہیں، اور اگر اخلاق و عبادات میں ہو تو اس کو رہبانیت اور تشدد کہتے ہیں۔ اگر عادات میں ہو تو اس کو تکلف کہتے ہیں۔ اگر طہارت اور نجاست میں ہو تو اس کو وسواس (وسوسہ) کہتے ہیں۔ اگر وسائل اور مقاصد کے مراتب کا خیال نہ رکھا جائے تو

اس کوظلم کہتے ہیں۔جبکہ اِن سب میں اعتدال کا نام اسلام ہے۔ (۹۵)

اسلام اور دیگر ادیان پر اگر غور کیا جائے تو یہود کا یہ رجحان سامنے آتا ہے کہ وہ علم میں افراط کا شکار ہوئے:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ (۹۶)

ان لوگوں کی مثال جنہیں تورات اٹھوائی گئی پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا، گدھے کی سی مثال ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے۔

نصاریٰ اور ہنود عمل میں ﴿ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِم ﴾ (۹۷)

اور ترک دنیا جو انہوں نے خود ایجاد کی ہم نے وہ ان پر فرض نہیں کی تھی۔

یہ تینوں مذاہب افراط کا شکار ہوئے، جبکہ اسلام علم وعمل میں اعتدال کا نام ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم لکھتے ہیں کہ " اگر میں تورات کو بنی اسرائیل کی تاریخ کہوں تو اس میں پہلے تمہیدی باب کے بعد، جس میں حضرت آدمؑ تک کے حالات بیان کئے گئے ہیں، باقی سب چیزیں صرف بنی اسرائیل کی تاریخ سے متعلق ہیں۔اسی طرح آپ انجیل کو پڑھیں تو وہ ایک ہی شخص یعنی حضرت عیسٰیؑ کی سوانح عمری ہے۔ اس کے برخلاف قرآن مجید نہ تو عرب کی تاریخ ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ کی سوانح عمری، بلکہ پوری بنی آدم کی تاریخ ہے۔" (۹۸)

اسلام میں تعلیم وتربیت فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ ذریعہ ہے اور مقصود اس سے طبائع میں اعتدال پیدا کرنا ہے۔اسی لیے نبی کریم ﷺ تعلیم وتربیت کے ذریعے صحابہ کرام کی طبائع میں اعتدال پیدا کرنا چاہتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں ازالہ نہیں امالہ ہے جبکہ عیسائیت اور ہندومت کی اخلاقی تعلیمات میں ازالہ ہے کہ خواہشات کو کچل دیا جائے۔

ہندومت کی تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں جو انسان متشکل ہوتا ہے اس انسان کے لیے عزیمت کا راستہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو ختم کردے۔اس کو اپنے گرہست آشرم (سماجی نظامِ زندگی) میں وَن پرستھ آشرم (جنگل میں بسیرا) اور پھر سنیاس آشرم (جنگل میں بھوکا رہنا اور بھیک مانگ کر گزارا کرنا) اختیار کرنا چاہیے۔اسی طریقہ سے اس کی موکش (نجات) ممکن ہے۔ (۹۹)

بدھ مت کی تعلیمات کا اہم اور اساسی فلسفہ چار عظیم سچائیاں ہیں۔ بدھ مت کی اپنی اصطلاح میں ان

عظیم سچائیوں کو "آرین ستیہ" کہا جاتا ہے۔اس کے مطابق پہلی عظیم حقیقت "دکھ" ہے۔ (۱۰۰)

جین مت میں بھی خواہشات کی نفی ہی کو نجات کا واحد ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ (۱۰۱)

شاہ ولی اللہ نے اس موقع پر اہم بات کی ہے کہ حقیقی سعادت حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں:

ا۔آدمی طبیعتِ بہیمیہ کو مٹا دے یا کچل دے۔" أحدهما: ما هو كالانسلاخ عن الطبيعة البهيمية" (۱۰۲) شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ بعض صوفیاء کا طریقہ ہے۔

ب۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بہیمیت کا مٹا دینا نہیں بلکہ اس کی اصلاح کرنا ہے: وثانيها: ما هو كالاصلاح للبهيمية والاقامة لعوجها مع تعلق أصلها" جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو سرکش نہ ہونے دیا جائے۔یعنی خواہشات کا ازالہ نہیں بلکہ امالہ کر دیا جائے۔ (۱۰۳)

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور ان کا طریقۂ تربیت دوسرے طریقہ کے مطابق تھا۔شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ کی تعلیم اور تربیت کا مقصود پہلا طریقہ ہوتا تو اس عالمِ مادی کے نظام میں اختلالِ کلی واقع ہو جاتا۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لا تشددوا فيشد الله عليكم۔

مختصر یہ کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم اور تربیت کے زیر اثر جو فرد تیار ہوتا ہے اس کے پیش نظر دین اور دنیا میں اعتدال کا پہلو ہوتا ہے اور درحقیقت قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ بھی یہی ہے۔اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرد کی تربیت کا جو اسلوب اختیار کیا، وہ منہج بذاتِ خود مقصود نہیں تھا بلکہ اس کا مقصود معتدل فرد تیار کرنا تھا۔

عصر حاضر میں تجدید تعلیم و تربیت:

نبی کریم ﷺ جہاں نبوت و رسالت کے خاتم ہیں اسی طرح علم و عمل اور تعلیم و تربیت میں بھی خاتم ہیں۔ "علم" ﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي ﴾ (آج میں تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر چکا اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا) (۱۰۴) اور "عمل" (انما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق ومحاسن الأعمال) میں خاتم سے مراد کمال اور کاملیت ہے۔اس لحاظ سے علوم کی اسلامی تشکیل ذاتِ نبوی اور علومِ نبوت سے منسلک کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا یوسف بنوریؒ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن میں لکھتے ہیں کہ دلیلِ شرعی کے وجود اور تحقیق

کے اعتبار سے سنت وحدیثِ رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ اور درجہ پہلے ہے اور اس لحاظ سے احکامِ شرعیہ کا پہلا مأخذ حدیث وسنت رسول اللہ ﷺ ہے اور اُمّت کے لیے ثبوت احکام شرعیہ کی پہلی حجت اور دلیل بھی حدیث وسنت رسول اللہ ﷺ ہے جبکہ کتاب اللہ اس کی تصدیق وتوثیق کرتی ہے۔ (۱۰۵)

شاید اسی لئے شاہ ولی اللہؒ نے دینی علوم کی جو طبقہ بندی کی ہے اس میں علمِ حدیث وسنتِ رسول اللہ ﷺ کو مقدم رکھا ہے اس کے بعد قرآن کریم اور اس کے علوم پھر فقہ اور اس کے بعد علمِ اسرارِ شریعت۔ (۱۰۶) آج بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ شاہ صاحب کی اس فکر کی روشنی میں نصابِ تعلیم ترتیب دیا جائے تاکہ نبی کریم ﷺ کی محبت واطاعت مسلمانوں کے قلوب میں جاگزیں ہو سکے اور معاشرہ میں مغربی اقدار اور بدعات کی جگہ سننِ نبوی ﷺ کو فروغ مل سکے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے اسوۂ کاملہ کے مطابق مسلمان اپنی زندگی ڈھال سکیں۔

اسلامی تاریخ میں علوم کو دو بڑے دھاروں میں تقسیم کیا گیا ہے: ۱۔علوم عالیہ ۲۔علوم آلیہ

علومِ عالیہ وہ علوم ہیں جو نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے پھوٹتے ہیں، جن کو علوم شرعیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح علوم آلیہ وہ علوم ہیں جو اگرچہ مقصودی علوم نہیں بلکہ یہ امدادی علوم ہیں۔ اسلامی علمیات (Epistemology) میں کبھی بھی علوم آلیہ کو وہ مقام اور مرتبہ نہیں مل سکتا جو علوم عالیہ کا ہوتا ہے۔ کیونکہ ذاتِ نبوی ﷺ کو اسلام میں بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے اور ذاتِ نبوی کو اسلامی علمیات میں ثانوی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ جبکہ موجودہ دور میں بدقسمتی سے علوم عالیہ اور علوم آلیہ کی تقسیم کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے اور ایک مسلمان کی زندگی سے علومِ نبوت رخصت ہو گئے ہیں۔

اگرچہ اسلام میں علوم آلیہ سے اخذ واستفادہ سے منع نہیں کیا گیا۔ مگر صرف علوم آلیہ میں اشتغال بھی قابل ستائش نہیں ہے۔ ایک مسلمان کی زندگی میں علوم عالیہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ اس کے بعد دیگر علوم کا حصول مذموم نہیں ہے، بلکہ خود قرآن کریم اور ذاتِ نبوی ﷺ ہماری اس طرف رہنمائی کرتی ہے، جیسا کہ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم لکھتے ہیں کہ "رسول اکرم ﷺ مختلف علوم کی اہمیت سے واقف تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان ان علوم کو سیکھیں۔ ان کے لیے الگ الگ درسی کتابوں کی بجائے ایک ہی درسی کتاب دینا پسند فرماتے اور چاہتے ہیں کہ ایک ہی شخص اس درسی کتاب کو ہمیشہ پڑھتا رہے، چاہے اس فن کی چیزوں سے اس کو دلچسپی ہے کہ نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص قرآن مجید کو بار بار پڑھے تو وہ اپنے فن کی چیزوں کو بھی پڑھے گا اور مجبور ہوگا کہ غیر فن

کی چیزوں کو بھی، خواہ سرسری نظر ہی سے سہی، پڑھے اور سمجھنے کی کوشش کرے اور اس کے لیے ایسی معلومات، جو اگرچہ اس کے فن سے متعلق نہیں ہیں، کسی بھی وقت سود مند ثابت ہوسکتی ہیں۔قرآن مجید پر نظر ڈالی جائے تو پتا چلے گا کہ اس میں بے شمار علوم کا ذکر ہے۔قرآن مجید میں صرف دین وعقائد، عبادات اور متعلقہ اخلاقی چیزوں کا ہی ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں اور علوم بھی نظر آتے ہیں۔" مزید لکھتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کو کچھ تو بنیادی تعلیم دی جائے جو لازمی ہے۔اور دیگر علوم کے بارے میں بھی ان کے پاس کچھ نہ کچھ معلومات ہوں جو کسی بھی وقت اس کے کام آسکتی ہیں۔اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ قرآن پڑھو، کیونکہ اس میں تقریباً تمام علوم کا ذکر کیا گیا ہے۔" (۱۰۷)

پہلی عالمی اسلامی تعلیمی کانفرنس جو مکہ مکرمہ میں منعقد ہوئی۔اس میں موجودہ علوم کی ترتیب اور درجہ بندی (Knowledge Texonomy) دو اقسام میں کی گئی : ۱۔یقینی ، ہدایتی یا الہامی علوم (Revealed Knowledge) ۲۔امکانی، حسی یا عقلی علوم (Acquired Knowledge)۔ (۱۰۸)

خلاصۂ بحث:

ضرورت اس بات کی ہے کہ درج بالا علوم کی تقسیم کی روشنی میں نصاب تعلیم وتربیت مرتب کیا جائے تا کہ ایک ایسی متوازن شخصیت تیار ہوسکے جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی محبت ہو اور وہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل بجالائے۔

دنیائے مغرب میں تعلیم یعنی "Education" اپنا دینی کردار کھوچکی ہے۔لغوی معنی کے اعتبار سے یہ لفظ ناسوتی ہے اور "القدس" کے دائرے سے قطعاً خارج۔مغرب میں تعلیم اساسی حقیقت کے ہر رابطے سے کٹ چکی ہے، اس کی خواہش عملی، اس کا مافیہ مادی اور انادی؟، اور اس کی رسائی عالمگیر ہے۔استاد کا مقام گھٹا کر اسے محض ٹیکنیشین کی سطح تک گھسیٹ لانے کے لیے ہر غیر شخصی تکنیک بڑے اشتیاق سے برتی جاتی ہے۔اسی طرح شاگرد کا مقام ایک خالی برتن کا سا ہوتا ہے جو ہر اُس چیز سے بھرے جانے کا منتظر رہتا ہے جس کے بارے میں خیال ہو کہ وہ مادی ترقی کو فروغ دے سکتی ہے۔

خاندان ہی ہماری تہذیب کا گہوارہ ہے۔بچے کو تعلیم وتربیت کے ذریعے اُسوۂ نبوی ﷺ میں اسی صورت میں ڈھالا جاسکتا ہے جب خاندان مضبوط اور قائم ہوگا۔بچے کو خاندان کے نظام میں ابتدائی پرورش، بنیادی تعلیم وتربیت اور اقدار کا اساسی شعور ملتا ہے اس کا متبادل کوئی اور ادارہ نہیں ہوسکتا۔اس کے برعکس مغربی

تعلیم میں سکول کو گھر اور خاندان کا متبادل تربیتی ادارہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر مغربی معاشرہ منطقی طور پر اپنی اقدار، نقطۂ نظر اور ضروریات کے اعتبار سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا ہے اور وہاں اخلاقی اقدار کی جگہ بے لگام مادی خواہشات نے لے لی ہے۔

اسلامی عہد میں تعلیم وتربیت کے تین مرحلے ہوتے تھے: ا۔خاندان ب۔مدرسہ ج۔ معاشرہ

ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسا نظام وضع کیا جائے جس میں تعلیم وتربیت کی ابتداء خاندان ہی میں ہو۔

موجودہ دور میں تمام انسانوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جا رہا ہے اور صرف تعلیم کا شور ہے تربیت کا نہیں، حالاں کہ انسانی معاشرہ میں مختلف ذہنی اور عقلی درجات کے لوگ ہوتے ہیں جیسے ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ وغیرہ۔ عقل میں اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو تعلیم اور تربیت کی جبکہ غبی اور ادنیٰ عقل والوں کو تربیت کی ضرورت ہوتی ہے علم ذیلی طور پر ان کو حاصل ہو جاتا ہے۔

اس بات کی ضرورت ہے کہ معلم کو مربی کے فرائض سے روشناس کروایا جائے اور معاشرہ اس کی پذیرائی کرے۔

اسی طرح عالم باعمل حضرات کی صحبت اور اس کی شرعی بنیادوں کو اجاگر کیا جائے ۔ کیونکہ اسی طریقہ سے ایک مسلمان کے لیے نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہونا آسان ہو جائے گا، اور شکوک وشبہات اور مجلسی خرافات سے محفوظ رہ سکے گا۔

انیسویں صدی میں استعماری قوتوں کے سیاسی غلبہ کی وجہ سے مسلمانوں کو جہاں زندگی کے دیگر میدانوں میں مسائل کا سامنا کرنا پڑا، وہاں روایتی مسلم معاشرے کی تنظیمی ہیئت اور اسلامی اداروں کو بھی فکری طور پر منہدم کرنے کی کوشش کی گئی، جس سے اسلامی معاشرہ کی تنظیمی ہیئت مغربی اصولوں کے مطابق پروان چڑھی۔ نظامِ احتساب (امر بالمعروف و نهی عن المنكر) اور تربیتی ادارے (زاویہ، رباط، خانقاہ، دائرہ وغیرہ) اسلامی معاشرہ میں کلیدی کردار کے حامل گردانے جاتے تھے۔ یہ ادارے اسلامی معاشرہ میں سننِ نبوی ﷺ کی ترویج واشاعت اور اسوۂ نبوی ﷺ کے مطابق مسلمانوں کی زندگی ڈھالنے میں بنیادی حیثیت کے حامل تھے۔ ان میں سے ایک ادارہ سننِ نبوی کی ترویج اور دوسرا ان میں حائل رکاوٹوں کا سدّ باب کرتا تھا۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ روایتی اسلامی تربیتی اداروں کو بحال کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کی فکری بنیادوں کو مضبوط کیا جائے۔

مختصر یہ کہ آج علم کا بہت شور ہے مگر یہ علمِ محض ہے جو عمل پر اکساتا نہیں۔ علم میں افراط سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے علم و عمل اور تعلیم وتربیت میں جو اعتدال پیدا کرنے کی کوشش کی اس پر عمل پیرا ہوا جائے۔

مصادر ومراجع

(۱)۔ القرآن ۸:۶۰

(۲)۔ القرآن ۶۰:۱۰۔

(۳)۔ القرآن ۶۰:۱۰۔

(۴)۔ القرآن ۴۹:۱۶

(۵)۔ راغب، اصفہانی. *المفردات فی غریب القرآن*. بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء، مادۃ: علم، ج ۲، ص ۱۷۷تا۱۸۷۔

(۶)۔ ابن فارس، أحمد بن فارس. *مقاییس اللغۃ*. بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء، مادۃ علم ۔

(۷)۔ فیومی، أحمد بن محمد *مصباح اللغۃ*. بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء، ج ۲، ص ۱۲۳۔

(۸)۔ القرآن ۴۲:۳۲

(۹)۔ القرآن ۷:۱۸۵

(۱۰)۔ المفردات فی غریب القرآن، ج ۲، ص ۱۸۷تا۲۰۷۔

(۱۱)۔ أبو ہلال العسکری حسن بن عبداللہ. *الفروق اللغویۃ*. بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۰ء، مادۃ: علم، ص ۹۵

(۱۲)۔ الفروق اللغویۃ، ص ۹۵۔ مصطفوی، حسن. *التحقیق فی کلمات القرآن*. بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۹ء، ج ۸، ص ۲۵۰۔

(۱۳)۔ التحقیق فی کلمات القرآن، ج ۸، ص ۲۵۰۔

(۱۴)۔ القرآن ۴۹:۱۵

(۱۵)۔ رازی، فخر الدین. *مفاتیح الغیب*. بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء، ج ۱، ص ۱۲۳۔

(۱۶)۔ غزالی، محمد بن محمد أبو حامد. *المنقذ من الضلال*. بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۹ء، ص۱۰۔

(۱۷)۔ نسفی. *تہذیب العقائد*. کراچی: میر محمد کتب خانہ، ۱۹۹۰ء۔

(۱۸)۔ غزالی، محمد بن محمد ابو حامد. *المقصد الاسنیٰ فی شرح الاسماء الحسنیٰ*. القاہرۃ: مصطفیٰ بابی، ۱۹۸۷ء، ص۵۔

(۱۹)۔ Edward William Lane. ***An Arabic-English Lexicon.*** vol.1. Lahore: Islamic Book Centre, 1978, p.1008.

(۲۰)۔ القرآن ۱۵:۳۴

(۲۱)۔ المفردات فی غریب القرآن، ج۱، ص۱۳۴۔

(۲۲)۔ حمید اللہ، محمد. "*عہدِ نبوی میں نظام تعلیم*". مدیر: محمد طفیل. نقوش: رسول نمبر۴. لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۸۳ء، ص۱۲۵۔

(۲۳)۔ النیسابوری، مسلم بن الحجاج. *صحیح مسلم*. الریاض: دار عالم الکتب للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۹۹۸ء، ج۲ ص۱۲۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل. *الجامع الصحیح*. کراچی: میر محمد کتب خانہ، ۱۹۹۸ء، کتاب العلم، فضل من أسلم من أہل الکتابین، ج۱، ص۴۲۳۔

(۲۴)۔ العسقلانی، ابن حجر. *فتح الباری*. بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء، ج۴، ص۱۲۳۔

(۲۵)۔ فتح الباری، ج۴، ص۱۲۳۔

(۲۶)۔ طبرانی، مکارم الأخلاق، ص۱۳۲۔

(۲۷)۔ مفاتیح الغیب، ج۱، ص۱۴۵۔

(۲۸)۔ مفاتیح الغیب، ج۳، ص۱۲۳۔

(۲۹)۔ القرآن ۸۷:۱۴، ۱۵۔

(۳۰)۔ تھانوی، اشرف علی مولانا. *سلسلہ مواعظ: دین ودنیا*. ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۹۹۰ء، ص۱۲۳۔

(۳۱)۔ القرآن ۹۱:۹، ۸، ۷

(۳۲)۔ القرآن ۶:۱۲۰۔

(۳۳)۔ الابراشی، عطیہ، محمد. *فلسفہ تعلیم وتربیت*. مترجم: رئیس احمد جعفری. نئی دہلی: گلوریس پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص۸۲۔

(۳۴). صحیح مسلم، ج۱، ص۴۲۳

(۳۵)۔ المنقذ من الضلال،ص۲۹۔

(۳۶)۔ علاء الدین،علی بن حسام.کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال.ط۵.بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۱ء،ج۳،ص۷

(۳۷)۔ ابن حنبل،احمد. *المسند*.بیروت:عالم الکتاب،۱۹۹۸ء،ج۲،ص۳۸۱۔

(۳۸)۔ القرآن۶۸:۴۔

(۳۹)۔ طیب،قاری محمد. *فلسفۂ نعمت ومصیبت*.لاہور:ادارہ اسلامیات،۱۹۷۸ء،ص۲۷۔

(۴۰)۔ القرآن۵:۱۵۔

(۴۱)۔ القرآن۳۳:۴۶۔

(۴۲)۔ نانوتوی،قاسم. *قبلہ نما*. ملتان:جامعہ دارالعلوم رحیمیہ،۲۰۰۵ء،ص۳۱۱،۳۱۲۔

(۴۳)۔ القرآن۹۶:۵۔

(۴۴)۔ القرآن۹۶:۶،۷۔

(۴۵)۔ القرآن۹۶:۸۔

(۴۶)۔ مفاتیح الغیب،ج۱،ص۲۳۱۔

(۴۷)۔ کشمیری،انورشاہ. *انوارالباری*.ملتان:ادارہ تالیفات اشرفیہ،س.ن،ج۵،ص۳۶،۳۷۔

(۴۸)۔ القرآن۶۲:۵

(۴۹)۔ حقانی،عبدالحق.تفسیر *فتح المنان*.لاہور:فاران پبلی کیشنز،س.ن،ج۷،ص۱۲۳۔

(۵۰)۔ باہو،سلطان. *اسرار القادری*.لاہور:حق باہو منزل،۱۹۹۱ء،ص۱۳۴۔

(۵۱)۔ شربینی،خطیب. *السراج المنیر المعروب بہ تفسیر شربینی*.بیروت:دارالکتب العلمیہ،۲۰۰۳ء،ج۱،ص ۱۰۷۔

(۵۲)۔ مفاتیح الغیب،ج۱،ص۲۵۱۔

(۵۳)۔ ابن عبدالبر،یوسف. *مختصر جامع بیان العلم وفضلہ*.مکۃ المکرّمۃ:مکتبہ تجاریہ،۱۹۹۲ء،ص۴۶،حدیث نمبر۴۶۔

(۵۴)۔ القرآن۲: ۱۲۹

(۵۵)۔ القرآن۲:۱۵۱۔

(۵۶)۔ القرآن۳: ۱۶۴۔

(۵۷)۔ القرآن۶۲:۲، القرآن ۶۲: ۳۔

(۵۸)۔ تھانوی، اشرف علی۔ *حقوق وفرائض*۔ ملتان: ادارہ تالیفات، ۱۴۱۳ھ، ص ۱۳۲۔

(۵۹)۔ القرآن۴:۷۴:۱۸۔

(۶۰)۔ بقاعی، برہان الدین *نظم الدرر فی تناسب الآیۃ والسور*۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۳ء، ج۱، ص ۲۴۴۔

(۶۱)۔ سعیدی، غلام رسول مولانا۔ *تبیان القرآن*۔ لاہور: فرید بک سٹال، ۱۹۹۹ء، ج۱ ص ۵۸۷۔

(۶۲)۔ غزالی، ابو حامد محمد بن محمد۔ میزان العمل ص ۳۷۔

(۶۳)۔ مسند أحمد، ج۶ ص ۲۴۳۔

(۶۴)۔ تھانوی، اشرف علی۔ *اصلاحِ انقلابِ امت*۔ ملتان: ادارہ تالیفات، ۱۹۸۷ء، ج۲ ص ۱۵۷۔

(۶۵)۔ صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب بیان الإیمان الذی یدخل بہ الجنۃ، ج۱ ص ۲۹۴۔

(۶۶) (Holy Bible, Book: Proverbs Chapter 21, Verse 11)

(۶۷)۔ شفیع، مفتی محمد *معارف القرآن*۔ کراچی: ادارہ المعارف، ۱۹۹۹ء ج۱ ص ۱۲۳۔

(۶۸)۔ القرآن۱۸:۲۸.

(۶۹)۔ القرآن۲:۲۰۱.

(۷۰)۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ج۲ ص ۲۳۴۔

(۷۱)۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب قوا أنفسکم وأھلیکم ناراً، ج۳ ص ۴۳۲۔

(۷۲)۔ ترمذی۔ *الجامع السنن*۔ لاہور: فیصل ناشران، ۱۹۸۹ء، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی أدب الولد، ج۲ ص ۳۴۵۔

(۷۳)۔ أبو داؤد۔ *السنن*۔ کراچی: ایچ ایم سعید، ۱۹۸۹ء، کتاب الأدب، باب فی فضل من عال یتیماً، ج۲، ص ۲۳۴۔

(۷۴)۔ القرآن۵۰:۱۶۔

(۷۵)۔ القرآن۳۳:۶

(۷۶)۔ نانوتوی،قاسم. *آب حیات*. ملتان: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ،۲۰۰۰ء،ص۱۵۰،۱۵۱،۱۵۳،۱۵۹۔

(۷۷)۔ القرآن۲:۱۳۷

(۷۸)۔ القرآن۲:۱۳

(۷۹)۔ القرآن۴۸:۲۹

(۸۰)۔ القرآن۴۸:۱۸۔

(۸۱)۔ صحیح بخاری، ج۳،ص۴۲۳۔

(۸۲)۔ داناپوری،عبدالروف. *اصح السیر*. کراچی: مجلس نشریات اسلام،۱۹۸۲ء،ص۱۱۸تا۱۱۹۔

(۸۳)۔ مختصر جامع البیان،ص۳۹،حدیث نمبر:۲۸۔

(۸۴)۔ ندوی، ابوالحسن علی مولانا *حدیث کا بنیادی کردار: اسلامی مزاج کی تشکیل وحفاظت میں*. کراچی: مجلس مشریات اسلام،۱۹۸۲ء،ص۵۰۔

(۸۵)۔ تھانوی، اشرف علی مولانا *التکشف عن مہمات التصوف*. لاہور: ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند،۱۹۸۲ء ص۲۱۰۔

(۸۶)۔ القرآن۹۶:۵۔

(۸۷)۔ القرآن۹۶:۶۔

(۸۸)۔ القرآن۹۶:۷۔

(۸۹)۔ القرآن ۹۶:۸

(۹۰)۔ القرآن۲:۳۸

(۹۱)۔ القرآن۳:۳۱۔

(۹۲)۔ القرآن۳۱:۱۵.

(۹۳)۔ گیلانی، مناظر احسن. *پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت*. لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س.ن،ص ۴۸تا۵۰۔

(۹۴)۔ مقریزی *کتاب الخطط والآثار*. بیروت: دارالکتب العلمیہ،۱۹۹۰ء،جلد۴،ص۷۰۔

(۹۵)۔ اسماعیل، محمد. *ایضاح الحق*.لاہور: دارالاصلاح، ۱۹۸۸ء،ص۲۰۶۔

(۹۶)۔ القرآن ۶۲: ۵۔

(۹۷)۔ القرآن ۵۷: ۲۷

(۹۸)۔ حمیداللہ، محمد ڈاکٹر۔ "*نظامِ تعلیم*" مرتب: سید قاسم محمود. ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی بہترین تحریریں.لاہور.: بیکن بکس، ۲۰۰۷ء،ص۱۸۰، ۱۸۱۔

(۹۹)۔ گپتا، داس. *تاریخ ہندی فلسفہ*.نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۸۳ء،ص۸۷۔مزید دیکھئے: فاروقی، عمادالحسن. *دنیا کے بڑے مذہب*.لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، س.ن،ص۶۵۔

(۱۰۰)۔ تاریخ ہندی فلسفہ،ص۱۶۱۔مزید دیکھئے: فاروقی، عمادالحسن، دنیا کے بڑے مذہب،ص۱۲۱)

(۱۰۱)۔ تاریخ ہندی فلسفہ،ص ۸۷، ۲۸۳، مزید دیکھیے: فاروقی، عمادالحسن، دنیا کے بڑے مذہب،ص ۱۳۲، ۱۳۳۔

(۱۰۲)۔ ولی اللہ، شاہ. *حجۃ اللہ البالغہ*.ترتیب وتدوین: سید سابق.قاہرۃ: دار الکتب الحدیثۃ، س.ن، ج ۱، ص۱۰۹، باب: توزع الانسان فی کیفیۃ تحصیل ھذہ السعادۃ ۔

(۱۰۳)۔ حجۃ اللہ البالغہ، ج۱،ص۱۱۰، باب: توزع الانسان فی کیفیۃ تحصیل ھذہ السعادۃ ۔

(۱۰۴)۔ القرآن ۵: ۳۔

(۱۰۵)۔ بنوری، یوسف *عوارف المنن مقدمہ معارف السنن*.کراچی، ۱۹۴۸ء، ج۱،ص۳۲۔

(۱۰۶)۔ حجۃ اللہ البالغہ، ج۱،ص۱۲۳۔

(۱۰۷)۔ "نظامِ تعلیم". ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی بہترین تحریریں،ص۱۸۰، ۱۸۲

(۱۰۸)۔ صدیقی، مشتاق الرحمٰن. *اسلامی نظامِ زندگی کے چند نمایاں پہلو*.ترتیب وادارت: ڈاکٹر محمد ابراہیم. اسلام آباد: پاکستان ایجوکیشن فاونڈیشن، ۲۰۰۱ء،ص۱۷۵۔

عہدِ نبوی کا نظام تعلیم وتربیت

جدول نمبرا

نمبر شمار	مبلغ رمعلم	علاقہ رقبیلہ	زمانہ رتقرر
۱	حضرت مصعب بن عمیرؓ	مدینہ راوس وخزرج	۶۲۱ء
۲	حضرات شہداءِ بئر معونہؓ	-	-
۳	حضرات شہداءِ رجیعؓ	-	-
۴	حضرت معاذ بن جبلؓ	مکہ مکرمہ	۸ھ/۶۳۰ء
۵	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ	مکہ مکرمہ	۸ھ/۶۳۰ء
۶	حضرت عباد بن بشرؓ	بنومصطلق	۸-۹ھ/۶۳۰ء
۷	حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ	نجران ربنوحارث بن کعب	۹-۱۰ھ/۳۱-۶۳۰ء
۸	حضرت علی بن ابی طالبؓ	یمن رمذحج	۹-۱۰ھ/۳۱-۶۳۰ء
۹	حضرت اوس بن حدثانؓ	منیٰ رمکہ مکرمہ	۹ھ / ۶۳۱ء
۱۰	حضرت محیصہ بن مسعودؓ	فدک	۹ھ / ۶۳۱ء
۱۱	حضرت عمرو بن مرۃؓ	جہینہ	-
۱۲	حضرت ضحاک بن سفیانؓ	کلاب	-
۱۳	حضرت جرثوم بن ناشیبؓ	قضاعہ	-
۱۴	حضرت ساریہ بن اوفیؓ	بنومرہ	-
۱۵	حضرت جریر بن عبداللہؓ	ذوالکلاع، ذوعمرو	۱۰-۱۱ھ/۶۳۲ء
۱۶	حضرت وبر بن یحسیس رعنیسؓ	فیروز دیلمی وغیرہ ابناء یمن	۱۰-۱۱ھ/۶۳۲ء
۱۷	حضرت اقرع بن عبداللہؓ	ذوزود، ذومران	۱۰-۱۱ھ/۶۳۲ء
۱۸	حضرت فرات بن حیانؓ	ثمامہ اور اسد	۱۰-۱۱ھ/۶۳۲ء
۱۹	حضرت زیاد بن حنظلہؓ	بنوتمیم	۱۰-۱۱ھ/۶۳۲ء

۲۰	حضرت صلصل بن شرحبیلؓ	بنو عامر	۱۱۔۱۰ھ/۶۳۲ء
۲۱	حضرت ضرار بن الازورؓ	بنو صیداء	۱۱۔۱۰ھ/۶۳۲ء
۲۲	حضرت نعیم بن مسعودؓ	ابن ذی اللحیان وجبیری	۱۱۔۱۰ھ/۶۳۲ء
۲۳	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	مدینہ	۱۔۱ھ/۳۲۔۶۲۲ء
۲۴	حضرت ابی بن کعبؓ	مدینہ	۱۱۔۱ھ/۳۲۔۶۲۲ء
۲۵	حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ	مدینہ	۱۱۔۱ھ/۳۲۔۶۲۲ء
۲۶	حضرت عبادہ بن صامتؓ	مدینہ	۱۔۱ھ/۳۲۔۶۲۲ء
۲۷	حضرت خالد بن سعیدؓ	مدینہ/طائف	۸ھ/۶۳۰ء
۲۸	حضرت عمرو بن سعیدؓ	مدینہ/طائف	۸ھ/۶۳۰ء
۲۹	حضرت ابان بن سعیدؓ	مدینہ/طائف	۸ھ/۶۳۰ء
۳۰	حضرت عثمان بن عفانؓ	مدینہ/طائف	۸ھ/۶۳۰ء
۳۱	حضرت سعد بن عبادہؓ	مدینہ/طائف	۸ھ/۶۳۰ء
۳۲	حضرت اسید بن حضیرؓ	مدینہ/طائف	۸ھ/۶۳۰ء

مفتیانِ گرامی

جدول نمبر۲

نمبر شمار	مفتی	علاقہ/قبیلہ	زمانہ/تقرر
۱	حضرت ابوبکر صدیقؓ	مدینہ منورہ	۱۱۔۱ھ/۳۲۔۶۲۲ء
۲	حضرت عمر فاروقؓ	مدینہ منورہ	۱۱۔۱ھ/۶۲۲۳۲ء
۳	حضرت عثمان غنیؓ	مدینہ منورہ	۱۱۔۱ھ/۶۲۲۳۲ء
۴	حضرت علی مرتضیٰؓ	مدینہ منورہ	۱۱۔۱ھ/ ۶۲۲۳۲ء

۵	حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ	مدینہ منورہ	۱۱ـ۱ھ/۶۲۲۳۲ء
۶	حضرت معاذ بن جبلؓ	مدینہ منورہ/یمن	۱۱ـ۱ھ/۶۲۲۳۲ء
۷	حضرت ابّی بن کعبؓ	مدینہ منورہ	۱۱ـ۱ھ/۶۲۲۳۲ء
۸	حضرت زید بن ثابتؓ	مدینہ منورہ	۱۱ـ۱ھ/۶۲۲۳۲ء
۹	متعدد دوسرے گمنام حضرات	ـــــــ	۱۱ـ۱ھ/۶۲۲۳۲ء

آئمہ مساجد

جدول ۳

نمبر شمار	امام مسجد	علاقہ/قبیلہ	زمانہ/تقرر
۱	حضرت اسعد بن زرارہؓ	مدینہ منورہ	۱ھ / ۲ـ۶۲۱ء
۲	حضرت مصعب بن عمیرؓ	مدینہ منورہ	۱ھ/ ۲ـ۶۲۱ء
۳	حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ	مدینہ منورہ	۱ھ/ ۲ـ۶۲۱ء
۴	حضرت حنظلہ بن ابی حنظلہؓ	مدینہ منورہ/قبا	۱ھ/۲ـ۶۲۱ء
۵	حضرت عتبان بن مالکؓ	مدینہ منورہ	۱۱ـ۱ھ/۳۲ـ۶۲۲ء
۶	حضرت عبداللہ بن عمیرؓ	مدینہ منورہ/مسجد بنی خطمہ	۱۱ـ۱ھ /۳۲ـ۶۲۲ء
۷	حضرت معاذ بن جبلؓ	مدینہ منورہ/مسجد جشم	۹ـ۱ھ/۳۰ـ۶۲۲ء
۸	حضرت اسید بن حضیرؓ	مدینہ منورہ/عبدالأشہل	۱۱ـ۱ھ / ۳۲ـ۶۲۲ء
۹	حضرت ابوزیدؓ	عمان	۹ـ۸ھ/ ۶۳۰ء
۱۰	حضرت شداد بن ثمامہؓ	بنوکعب بن اوس	۱۰ـ۹ھ / ۳۱ـ۶۳۰ء
۱۱	حضرت عمرو بن سلمہؓ	بنو جرہم	۱۱ـ۲ھ/ ۳۲ـ۶۲۲ء

۱۲	حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ	لشکر مسلمانانِ تبوک	۹ھ/ ۶۳۱ء
۱۳	حضرت ابوبکر صدیقؓ	لشکر مسلمانانِ تبوک	۹ھ/۶۳۱ء
۱۴	حضرت ابوبکر صدیقؓ	مدینہ/مسجدِ نبوی	ربیع الاول ۱۱ھ/ جون ۶۳۲ء

بحوالہ نقوش رسول نمبر ۱۲، مدیر: محمد طفیل، ناشر: ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۴۸ تا ۵۰۔

مسلمانوں کا علمی ورثہ

جدول نمبر ۴

نمبر شمار	نام ملک	تعداد مخطوطات
1	ترکی	223,000
2	انڈیا	161,000
3	عراق	90,000
4	پاکستان	88,000
5	سوویت یونین	38,000
6	ایران	200,000
7	مصر	116,000
8	سعودی عرب	89,000
9	برطانیہ	45,000
10	امریکہ	30,000

World Survey of Islamic Manuscripts, General Editor: Geoffrey Roper, Al-Furqan, Islamic Heritage Foundation, London, 1992.